وقد اخذ ميثاقكم ان كنتم مؤمنين

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

مقام اشاعت :- ۳۶ - کے - ماڈل ٹاؤن - لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رلفریجریٹرز ، ایئرکنڈیشنرز اور فریزرز میں سب سے بہتر

سانیو
SANYO
خریدیئے

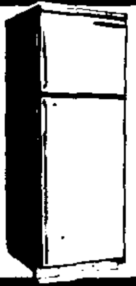

نوفراسٹ ریفریجریٹرز

اب پاکستان میں تیار/اسمبل کئے جاتے ہیں

۱۰ مختلف سائزیں۔ دلکش رنگوں میں حفاظتی تالے کے ساتھ۔ اشیاء کے ذخیرہ کرنے کی زیادہ گنجائش۔ بازار جانے کی کم زحمت ۔مکمل کارکردگی۔ آزمودہ ریفریجریٹرز بڑے قدوقامت کے ۳ دروازے والے فیملی ماڈلز سے لیکر مجرد اشخاص کے لئے چھوٹے ماڈلز تک دستیاب

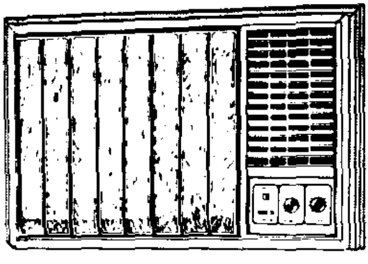

بے آواز
رُوم ایئرکنڈیشنرز

گرمیوں میں سرد ،سردیوں میں گرم ہوا

گنجائش ۱ ٹن (۱۸۰۰۰ بی ٹی یو/ایچ)

پاکستان میں تیار/اسمبل کردہ

ٹھنڈا کرنے کی زیادہ صلاحیت بجلی کا کم خرچ

بہتر کارکردگی کیلئے آٹو ڈیفلیکٹر سے آراستہ

براؤن ٹیک میں فنش کی ہوئی جالی۔

اِسپلٹ ٹائپ ایئرکنڈیشنرز

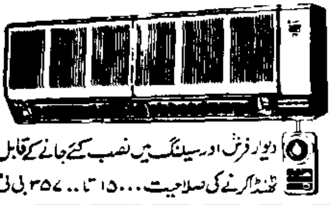

دیوار فرش اور سیلنگ میں نصب کئے جانے کے قابل

ٹھنڈا کرنے کی صلاحیت ۱۵۰۰۰ تا ۳۵۷۰۰ بی ٹی یو

نیا روٹری کمپریسر آواز ارتعاش اور بجلی کا خرچ کم کرنے کیلئے۔

دیوار پر نصب کیا جانیوالا ڈیزائن کمرے میں قابلِ استعمال جگہ بچاتا ہے

۲۴ گھنٹے کا وقتی سوئچ۔

آئی سی تھرموسٹیٹ صحیح ٹمپریچر برقرار رکھنے کے لئے

۳۔ سپیڈ فین آپریشن سلیکٹر

کرم فرما خصوصی توجہ فرمائیں :

مندرجہ مصنوعات خریدتے وقت ورلڈ وائیڈ کمپنی کی جاری کردہ پانچ سالہ گارنٹی ضرور حاصل کریں تاکہ سروس بعداز فروخت کی مفت سہولت سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

پاکستان میں سانیو کی تمام مصنوعات کے سول ایجنٹس:

ورلڈ وائیڈ ٹریڈنگ کمپنی

سانیو سینٹر شوروم اور سروس سینٹر۔ گارڈن روڈ۔صدر کراچی

فون: ۷۷۳۶۴ - ۷۶۷۴۹ - ۷۴۷۰۰

پاکستان کیبل "WORLDBEST" ٹیلکس 25109 WWTCO PK

786 WW-67/82

ماهنامہ
میثاق
لاہور

جلد : ۳۲ | شمارہ : ۶ | شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ مطابق جون ۱۹۸۳ء

مشمولات

عرضِ احوال —— ۳
جمیل الرحمٰن

الہدیٰ (چوتھی نشست) —— ۱۵
ڈاکٹر اسرار احمد

اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصور (تیسری قسط) ۲۵
ڈاکٹر اسرار احمد

فلسفہ و فضیلتِ صوم —— ۴۵
مولانا الطاف الرحمٰن بنوی

مولانا سید وصی مظہر ندوی کا —— ۵۳
ایک انٹرویو

تنظیمِ اسلامی کا سالانہ اجتماع —— ۶۳
جمیل الرحمٰن

ڈاکٹر اسرار احمد کا دورہ کوئٹہ —— ۷۵
ابوالمظفر محمد اکرم بھٹی

رفتارِ کار —— ۸۳
رحمت اللہ بٹر

تبصرہ کتب (ج - س) —— ۸۷

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون
۳۰/ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیمِ اسلامی
فون : ۸۵۲۶۱۱

سب آفس : ۱۱ داؤد منزل۔ نزد آرام باغ۔ شاہراہ لیاقت۔ کراچی۔ فون برائے رابطہ ۲۱۴۷۰۹

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید: ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے

اور لوگوں کے لیے بڑے فوائد بھی ہیں

Interested buyers and sellers of Iron and steel scrap & non-ferrdus metal scrap are requested to contact :
MANZOOR BHAI for any deal In-sha-Allah our method of wor-k will prove honesty and compe-tative our experiance is since last ten years.

OFFICE:

3/32, Al-Yousaf Chambers
Shahrah-e- Liaqut,
NEW Challi,
Kurachi
(PAKISTAN)

Phones: 218734
213169

Cable: HAPPYSABA

Telex: 24490 SABA PK.

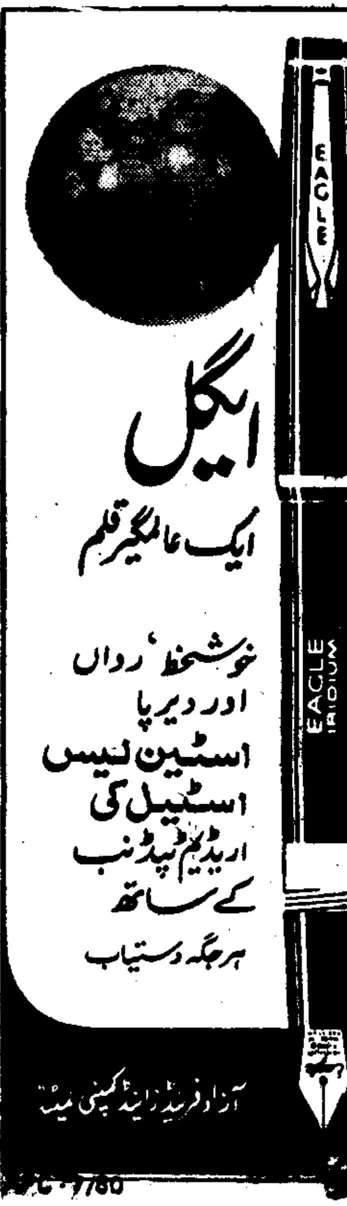

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمیل الرحمٰن

عرضِ احوال

اللہ تعالیٰ کی نصرت اور توفیق کی بدولت ماہنامہ میثاق کا شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ مطابق جون ۱۹۸۳ء کا شمارہ ناظرین کی خدمت میں پیش ہے۔ عجب حُسنِ اتفاق ہے کہ "میثاق" کا پہلا شمارہ جون ۱۹۵۹ء میں مولانا امین احسن اصلاحی کے زیر ادارت و انصرام منصۂ شہود پر آیا تھا۔ اس طرح اس کے اجراء پر پورے چوبیس سال گزر گئے۔ اور اب اس شمارے سے یہ جریدہ پچیسویں سال میں قدم رکھ رہا ہے۔ تقریباً سات سال تک یہ ماہنامہ مولانا اصلاحی کے زیر ادارت و انتظام شائع ہوتا رہا۔ لیکن ۱۹۶۶ء میں مولانا موصوف کی 'تدبرِ قرآن' کی تیاری کی مصروفیات کی وجہ سے یہ رسالہ انتظامی و مالی بحران سے دوچار رہا۔ اسی زمانہ میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد منٹگمری (حال ساہیوال) سے مستقل طور پر لاہور اس عزم کے ساتھ منتقل ہو چکے تھے کہ وہ دعوتِ اسلامی کی تجدید کے لئے اپنی توانائیاں وقف کریں گے۔ اس مقصد کے لئے ڈاکٹر صاحب موصوف نے "الرسالہ" کے نام سے ایک ماہنامہ کا ڈیکلریشن بھی حاصل کر لیا تھا۔ جب مولانا اصلاحی کو اس کی خبر پہنچی تو موصوف نے ڈاکٹر صاحب کو پیشکش کی کہ "میثاق" لے لو اور اس کو دعوت کا نقیب اور ترجمان بناؤ چنانچہ ۱۹۶۶ء کے اواخر سے اس ماہنامہ کا ڈاکٹر صاحب کی زیرِ ادارت و انصرام نئے سفر کا آغاز ہوا۔ والحمد والمنہ کہ اس وقت سے یہ پرچہ ڈاکٹر صاحب موصوف کی زیرِ ادارت شائع ہو رہا ہے۔

"مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" کے قیام کے بعد اس کا انتظام و انصرام انجمن نے سنبھالا۔ بعد ازاں جب محترم ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم و مغفور کا جاری کردہ "حکمت قرآن"، جس کا سلسلہ اشاعت بعض ناگزیر اسباب کی وجہ سے منقطع ہو گیا تھا۔ اس کا ڈیکلریشن محترم ڈاکٹر صاحب کے نام منتقل ہو گیا تو

غایت قرآن"، کو انجمن کا ترجمان قرار دیدیا گیا اور انجمن نے ماہنامہ میثاق کو تنظیم اسلامی کے سپرد کردیا گیا تاکہ وہ اس کو اپنی دعوت کا نقیب اور ترجمان قرار دے سکے۔ چنانچہ مئی ۱۹۸۲ء سے یہ انتظام جاری ہے۔

ماہنامہ میثاق کے اجرا کی غرض وغایت پر ربیع الاول ۱۴۰۳ھ مطابق جنوری ۱۹۸۳ء کے 'عرض احوال' میں اختصار کے ساتھ اظہار خیال کیا جا چکا ہے۔ قارئین کرام سے اس پر نگاہ بازگشت ڈالنے کی درخواست ہے۔ اس موقع پر ہم جون ۱۹۵۹ء یعنی اس کے پہلے شمارے کے اداریے کا ایک اقتباس ذیل میں درج کر رہے ہیں تاکہ اس ماہنامہ کے اجرا کی غرض وغایت کی پھر تذکیر ہو جائے۔

"اس رسالے کا نام 'میثاق' محض اتفاق سے نہیں رکھا گیا بلکہ یہ نام سوچ سمجھ کر انتخاب کیا گیا ہے یہ نام بہت بڑی حد تک اس مقصد کی تعبیر کرتا ہے جو اس کے نکالنے سے پیش نظر ہے۔

لغت میں میثاق سے مراد ہر وہ عہد وپیمان ہوا کرتا ہے جو شعور وارادے کے ساتھ پورا کرنے کے لئے باندھا جائے۔ قرآن وحدیث میں اس کا مفہوم اس سے بہت بلند ہے اور چونکہ وہی مفہوم اس نام میں ہمارے پیش نظر ہے اس وجہ سے اس کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

قرآن مجید میں اس سے مراد وہ عہد وپیمان ہے جو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان ہوا۔ قرآن نے اس قسم کے دو میثاقوں کا ذکر کیا ہے ایک تو وہ میثاق ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو اس دنیا میں بھیجنے سے پہلے ان کی عقل وفطرت سے لیا ہے۔ اس میثاق کا ذکر سورہ اعراف میں اس طرح فرمایا۔

"اور یاد کرو جب کہ نکالا تمہارے رب نے بنی آدم سے یعنی ان کے پیٹھوں سے انکی ذریت کو اور ان کو خود ان کے اوپر گواہ بنایا، پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، انہوں نے اقرار کیا کہ ہم گواہ ہیں کہ تو ہمارا رب ہے۔ یہ اس لئے ہوا تاکہ قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہم تو اس

چیز سے بالکل بے خبر ہی رہے'' (اعراف آیت ۷۲)
یہ خدا کی ربوبیت اور اس کی توحید کا میثاق ہے جو ہر انسان کی فطرت سے لیا گیا ہے اور اس پر ہماری عقل و فطرت گواہ ہے۔

دوسرا عہد و میثاق وہ ہے جو اس میثاق فطرت کی بنیاد پر اور درحقیقت اسی کے تقاضوں اور مطالبات کو بروئے کار لانے کے لئے ہمارے رب نے اپنے نبیوں، اور رسولوں کی وساطت سے ہم سے لیا ہے۔ یہ میثاق حضرت آدم سے لیکر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے پیغمبر اور رسول بھی آئے ہیں سب نے خدا کے نمائندے کی حیثیت سے اپنی اپنی امتوں سے لیا ہے۔ یہ میثاق اپنی فطرت کے لحاظ سے ہے ایک ہی میثاق لیکن چونکہ اسکی تجدید بار بار اور مختلف زمانوں میں ہوئی ہے اس وجہ سے ظاہر میں اس کے اندر تعدّد پیدا ہو گیا ہے۔ قرآن مجید نے ان تمام میثاقوں کا حوالہ دیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ پچھلی امتوں نے کس کس طرح اپنے باندھے ہوئے ان میثاقوں کو توڑا پھر یہ بتایا ہے کہ یہ میثاق اب امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لیا جا رہا ہے۔

تو اس امت کے لوگوں کا فرض ہے کہ اس میثاق میں خود بھی قائم رہیں اور دوسروں کو بھی اس کے اندر شامل کرتے اور ان کے اس پر قائم رکھنے کے لئے برابر اس کی شہادت دیتے ہیں۔ قرآن جو اس میثاق کی آخری اور مکمل دستاویز ہے، اس حقیقت کی یاد دہانی ان الفاظ میں کر رہا ہے۔

''اور تم اس فضل کو یاد رکھو جو اللہ نے تم پر فرمایا اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا، جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور قبول کیا اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ دلوں کے بھیدوں کو جاننے والا ہے'' (سورہ مائدہ آیت ۷)

ایک جگہ فرمایا وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔

اور اللہ نے تم سے میثاق لیا ہے - اگر تم مومن ہو - (سورہ حدید آیت ۸)

ماہ شعبان المعظم شروع ہو چکا ہے - توقع ہے کہ وسط شعبان تک یہ شمارہ قارئین تک پہنچے گا - ۱۴ ر یا ۱۵ رجون سے ان شاء اللہ العزیز رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو جائے گا - حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے امام بیہقی شعب الایمان میں ایک روایت لائے ہیں کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک خطبہ دیا - اس میں آپؐ نے فرمایا -

"اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے - اس مبارک مہینہ کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے - اس مہینے کے روزے اللہ تعالےٰ نے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہ خداوندی میں کھڑا ہونے (یعنی نماز تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت بڑا ثواب رکھا ہے) جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانہ کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا اور اس مہینہ میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانہ کے ستّر فرضوں کے برابر ملے گا - یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے - یہ ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے جس نے اس میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) افطار کرایا، تو اس کے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے آپؐ سے عرض کیا گیا کہ: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان حاصل نہیں ہوتا تو کیا غرباء اس ثواب سے محروم رہیں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ: اللہ تعالےٰ یہ ثواب

اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دے (رسول اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے ارشاد فرمایا کہ) اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلا دے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (یعنی کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی تا آنکہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا (اس کے بعد آپؐ نے فرمایا) اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتشِ دوزخ سے آزادی ہے (اس کے بعد آپؐ نے فرمایا) اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف و کمی کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا اور اس کو دوزخ سے رہا اور آزادی دے دے گا۔"

(ترجمہ ماخوذ از معارف الحدیث، مولانا محمد منظور نعمانی)

کلمہ شہادت کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے کے چار ارکان بتائے ہیں:

بنی الاسلام علی خمس	اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں
شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ	پر ہے، اس بات کی گواہی
وان محمداً عبدہ ورسولہ	دینا کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود
واقام الصلوٰۃ وایتاء	نہیں اور محمدؐ اس کے بندے
الزکوٰۃ والحج وصوم	اور رسول ہیں اور نماز قائم
رمضان (متفق علیہ)	کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا
	اور رمضان کے روزے رکھنا

غور کریں تو معلوم ہو گا کہ دو ارکان کا تعلق بدنی عبادات سے ہے یعنی نماز اور روزہ یہ عبادات عام ہیں۔ چند استثنائی صورتوں کے علاوہ یعنی فاطر العقل یا اس درجہ علیل ہو جانا کہ تن کا ہوش نہ رہے ہے، یہ عبادات ہر مسلمان پر فرض ہیں۔ زکوٰۃ کا تعلق مالی عبادت سے ہے اور یہ صرف ان

پر فرض ہے جن کے پاس بقدر نصاب سال بھر تک فاضل سرمایہ (بشکل نقد، مال تجارت اور مویشی) رہے۔ حج وہ عبادت ہے جس میں بدنی مشقت اور مال کا خرچ دونوں شامل ہیں لیکن اس کے لئے مالی وجسمانی دونوں کی استطاعت شرط ہے۔ مالی استطاعت کو اتنی وسعت دی گئی ہے کہ سفر حج پر جانے کی صورت میں جس مدت کے لئے جا رہا ہو اس مدت کے لئے زیر کفالت افراد خاندان کی ضروریات زندگی کا انتظام کر کے عازم سفرِ حج ہونا لازم ہے۔ قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وزکوٰۃ اور صوم کی عبادات تمام پچھلی امتوں پر بھی فرض رہی ہیں۔ روزے کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ:
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ ۔ البتہ ان تینوں عبادات میں مختلف شریعوں کے درمیان فرق رہا ہے۔

روزے کی بے شمار حکمتیں ہیں جن کا جامع عنوان ہے تقویٰ چنانچہ روزے کا جس آیت میں حکم دیا گیا ہے جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اس آیت کا اختتام ہوتا ہے اس پر کہ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ: "تاکہ تم متقی بن جاؤ" یعنی تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچنے کی استعداد پیدا ہو جائے۔ انسان کا نفس ایک منہ زور گھوڑے کے مانند ہے اس کے کچھ داعیات اور اس کی کچھ خواہشات ہیں۔ ان کو حدِ اعتدال میں رکھنا ازبس ضروری ہے۔ چنانچہ نفس کے اس منہ زور گھوڑے کو قابو میں رکھنے کیلئے روزے کی عبادت فرض کی گئی ہے۔ اس کی بدولت مسلمان کے نفس کے داعیات اتنے زور آور نہیں رہیں گے کہ وہ اس سے اپنی من مانی کرا لے اور اس کو یہ بات بھلا دے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے۔ اس کے قانونِ حلال وحرام کا پابند ہے۔

روزے کی عبادت کے متعلق یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اس کے علاوہ دوسری جتنی عبادتیں ہیں ان کا تعلق ہر مسلمان کے کسی نہ کسی ظاہری عمل اور حرکت سے ہوتا ہے۔ وہ مشہود ہوتی ہیں۔ نماز کی تمام حرکات

کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے - حج کے لئے ایک شخص طویل سفر کر کے جاتا ہے - سینکڑوں لوگ اس کے اپنے حلقہ تعارف سے تعلق رکھنے والے ہم سفر ہوتے ہیں - پھر فی زمانہ توجہ پر جانے کے لئے قرعہ اندازی ہوتی ہے - قرعہ میں نام نکلنے والوں کی فہرستیں عموماً اخبارات میں شائع اور بینکوں میں آویزاں ہوتی ہیں - زکوٰۃ بھی کم از کم ایک شخص دیتا اور دوسرا شخص لیتا ہے نیز فی زمانہ تو ملک میں بے شمار دینی اور رفاہی ادارے اپنے اپنے حلقوں سے اجتماعی طور پر زکوٰۃ وصول کرتے ہیں اور اپنے اپنے اداروں کی رپورٹوں میں زکوٰۃ کی رقم کے ساتھ ادا کرنے والوں کے نام شائع کرتے ہیں - لیکن روزہ وہ عبادت ہے کہ جس کا حال اللہ اور بندے کے علاوہ کسی دوسرے پر عیاں نہیں ہوتا - ایک شخص گھر والوں کے سامنے سحری کھائے اور کسی کے سامنے افطار تک کچھ نہ کھائے اور پیئے مگر چوری چھپے یہ کام کر لے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اسکی خبر نہیں ہو سکتی - لیکن اگر کوئی شخص حقیقت میں روزہ رکھتا ہے اور سخت پیاس اور بھوک کی حالت میں بھی چوری چھپے کچھ پیتا اور کھاتا نہیں ہے - ساتھ ہی وہ ان تمام برائیوں سے شعوری طور پر بچنے کی کوشش کرتا ہے جن سے بچنے کی تعلیم، تلقین اور تاکید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے جیسے غیبت، جھوٹ اور جھوٹ پر عمل اور دنگا فساد نیز دشنام طرازی سے اجتناب - تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے اور جناب محمدؐ کے اللہ کے رسول ہونے پر کتنا پختہ ایمان اور کس قدر زبردست یقین ہے -

یہی وجہ ہے کہ ایسے روزہ دار کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ :

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا	جس نے رمضان کے روزے رکھے
وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا	ایمان اور احتساب کے ساتھ اس کے
تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ	تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے -

اور مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ

جس نے رمضان کی راتوں میں قیام کیا ایمان اور احتساب کے ساتھ، اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

ایمان اور احتساب روزے کی عبادت کے لازمی شرائط ہیں۔

ایمان اس پر کہ اللہ عالم الغیب ہے وہ احد ہے، وہ علیم و خبیر ہے اور وہ میری ہر ہر حرکت اور ہر ہر فعل کا نگران ہے اور مجھے اس کے حضور میں ایک دن کھڑے ہو کر جواب دہی کرنی ہے۔ احتساب اس کا کہ روزے کی حالت میں ہر اس برائی سے بچے جس سے خاص طور پر روزے میں اجتناب کی تاکید اور تلقین کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ مہینہ بھر کی یہ ایمان و احتساب کی مشق ان شاء اللہ ایسے شخص کے لئے سال کے بقیہ گیارہ مہینوں میں اس کے لیے ایمان و احتساب پر قائم رکھنے میں ممد و معاون ہوگی۔ لیکن اگر اس نے صرف روزہ رکھا لیکن آفات روزہ سے محفوظ رہنے اور اجتناب کرنے کا کوئی اہتمام نہیں کیا تو ایسے شخص کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ یہ ہے کہ:

كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ إِلَّا الظَّمَأُ وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ إِلَّا السَّهَرُ

بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ اس روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا اور بہت سے راتوں کو کھڑے رہنے والے ایسے ہیں کہ اس قیام سے رت جگے کے سوا انکے پلے کچھ نہیں پڑتا۔

ایسے ہی روزہ دار دراصل ریاکار بھی ہوتے ہیں۔ ریاکاری اقسام شرک میں سے ایک شرک ہے یہ فتویٰ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

من صلی یرائی فقد اشرك	جس نے دکھلاوے کی نماز
ومن صام یرائی فقد	پڑھی تو اس نے شرک کیا اور
اشرك ومن تصدق	جس نے دکھلاوے کا روزہ
یرائی فقد اشرك	رکھا تو اس نے شرک کیا اور

جس نے دکھلاوے کا صدقہ کیا تو اس نے شرک کیا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح نماز اور صدقہ محض ریاکاری کے لئے بھی ہوتا ہے اسی طرح روزہ بھی محض ریاکاری کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور ریاکاری وہ فعل ہے کہ جس پر یہ حکم عائد ہوتا ہے کہ ایسا فرد لازماً شرک کر چکا۔

روزے کی برکات اور حکمتیں بے شمار ہیں۔ ان میں سے دو اہم حکمتوں اور برکتوں کے متعلق محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے نہایت ہی فکر انگیز کتابچے "عظمت صوم" کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

"صیام و قیام رمضان کی اصلی غایت و حکمت اور ان کا اصل ہدف و مقصود ایک جملے میں اس طرح سمویا جا سکتا ہے کہ:- ایک طرف روزہ انسان کے جسد حیوانی کے ضعف و اضمحلال کا سبب بنے تاکہ رُوحِ انسانی کے پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیاں کچھ ہلکی ہوں اور بہیمیت کے بھاری بوجھ تلے دبی ہوئی اور سسکتی کراہتی ہوئی روح کو سانس لینے کا موقع ملے۔ اور دوسری طرف قیام اللیل میں کلام ربانی کا روح پرور نزول[1] اس کے تغذیہ و تقویت کا سبب بنے۔ تاکہ ایک جانب اس پر کلام الٰہی کی عظمت کما حقہ منکشف ہو جائے اور وہ اچھی طرح محسوس کر لے کہ یہی اس کی بھوک کو سیری اور پیاس کی آسودگی عطا کرنے کا ذریعہ اور اس کے دکھ کا علاج اور درد کا درماں ہے:- اور دوسری جانب رُوحِ انسانی از سرِ نو قوی اور توانا ہو کر "اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز" ہو گویا اس میں تقرب الی اللہ کا داعیہ شدت سے بیدار ہو جائے اور

---

[1] تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب - گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب

وہ مشغول دُعا و مناجات ہو جو اصل رُوح ہے عبادت[1] کی اور لُبّ لُباب ہے رشد و ہدایت کا!

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں صوم و رمضان سے متعلق آیات ہیں۔ اوّلاً مجرد صوم کی مشروعیت اور اس کی ابتدائی احکام کا ذکر ہوا اور اس کی غرض و غایت بیان ہوئی۔ " لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ " کے الفاظ میں اور ثانیاً صوم رمضان کی فرضیت اور اس کے تکمیلی احکام کا بیان ہوا اور اس کے ثمرات و نتائج کا ذکر ہوا دو طرح پر

ایک — وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" کے الفاظ میں جو عبارت ہے انکشافِ عظمتِ نعمتِ قرآن اور اس پر اللہ کی جناب میں ہدیۂ تکبیر و تشکر پیش کرنے سے اور

دوسرے - وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ط اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۔۔۔ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ" کے الفاظ میں جو عبارت ہے انسان کے متوجہ الی اللہ و متلاشی قرب الٰہی اور مشغول دُعا اور محو مناجات ہونے سے جو اصل حاصل ہے عبادت رب کا -!

الغرض! صیام و قیام رمضان کا اصل مقصود یہ ہے کہ روح انسانی بہیمت کے غلبے اور تسلط سے نجات پا کر گویا حیات تازہ حاصل کر لے اور پوری شدت و قوت اور کمال ذوق و شوق کے ساتھ اپنے رب کی جانب متوجہ ہو جائے "

---

[1] احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام " اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ " اور " اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ "

روزے کی ایک اور اہم برکت یہ ہے کہ یہ ایک مسلمان کی قوتِ ارادی کی نہایت احسن طریق پر تربیت کرتا ہے ۔ شریعت کے جملہ احکام اور حدود پر کاربند رہنے کے لئے ایک مسلمان کو مضبوط قوتِ ارادی کا مالک ہونا ضروری ہے ۔ بالخصوص شریعت کا وہ حصہ جو انسان کو برائیوں سے روکتا ہے بڑی مضبوط قوتِ ارادی اور بڑے مضبوط صبر کا مطالبہ کرتا ہے ۔ اس کی مشق روزے سے حاصل ہوتی ہے اور اسی سے وہ تقویٰ ظہور میں آتا ہے جو روزے کا اصل مقصود ہے ۔ اسی لئے اس حدیث میں جو حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے اور جس کا اوپر صرف ترجمہ دیا گیا ہے ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کو شہر الصبر فرمایا ہے اور اس صبر کا بدلہ جنت قرار دیا ہے ۔

هُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مبارک مہینے کی تمام برکات سے بہرہ مند ہونے کی سعادت عطا فرماتے ۔ آمین یارب العلمین ۔

راقم نے گذشتہ شمارے میں اپنے بڑے بھائی شیخ حفیظ الرحمٰن صاحب کی علالت کا ذکر کرتے ہوئے قارئین سے انکی صحت کی دعا کی درخواست کی تھی ۔ ابھی وہ پرچہ قارئین تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ ۶ رمئی ۸۳ء کو بھائی صاحب نے دو ماہ کی علالت کے بعد اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون ۔ اب قارئین سے انکی مغفرت کی دعا کی درخواست ہے ۔

اللّٰھم اغفرہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ وادخلہ الجنۃ وقہ من عذابِ القبر وعذاب النار آمین یارب العالمین ۔ خاکسار حمید [signature] عفی عنہ ۸/۱۰/۱۴۰۳ھ

برائے توجہ !

قارئین میثاق سے گذارش ہے کہ خط وکتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں (شکریہ)

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ

سورۃ الاسراء۔ الآیۃ ۸۲

عطیہ: حاجی محمد سلیم

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

نمبر ۳۰۱، لنڈا بازار، لاہور ۳۰۶۴۲۸ / ۳۰۵۴۶۹

الہدیٰ
(چوتھی نشست)

حقیقتِ برّ و تقویٰ
آیۂ برّ (سورۃ البقرۃ: ۱۷۷) کی روشنی میں

پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ درس

از: ڈاکٹر اسرار احمد

(۱)

السلام علیکم - نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

محترم حاضرین اور معزز ناظرین! مطالعہ قرآن حکیم کے جس منتخب نصاب کا سلسلے وار درس ان مجالس میں ہو رہا ہے اس کا پہلا سبق سورۃ العصر پر مشتمل تھا جس پر ہم نے کسی قدر گفتگو تین مجالس میں کی ہے - اس منتخب نصاب کا دوسرا درس آیۂ برّ پر مشتمل ہے - یہ آیۂ مبارکہ سورۃ بقرہ میں آیت نمبر ۱۷۷ ہے اور مصحف میں سورۃ بقرہ کے بائیسویں اور دوسرے پارے کے چھٹے رکوع کے آغاز میں وارد ہوئی ہے - آج کی نشست میں ہم اس آیت کے بارے میں بعض ابتدائی اور تمہیدی باتوں پر غور کریں گے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم اس کی تلاوت کرلیں اور ایک رواں ترجمہ بھی ہمارے سامنے آجائے -

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ..... الخ الآیہ

اس کا رواں اور سلیس ترجمہ یہ ہوگا -

''نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیر دو بلکہ اصل نیکی اُس کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور یومِ آخرت پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر ــ اور دیا اُس نے مال اس کی محبت کے علی الرغم رشتے داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافر کو اور سائلوں کو اور گردنوں کے چھڑانے میں ــ اور قائم کی اُس نے نماز ادا کی زکوٰۃ ــ اور پورا کرنے والے اپنے عہد کے ۔ جبکہ کوئی باہم معاہدہ کر لیں ۔ اور بالخصوص صبر کرنیوالے فقروفاقہ پر ۔ تکالیف و مصائب پر ۔ اور جنگ کے وقت ۔ یہی ہیں وہ لوگ کہ جو راست باز ہیں ۔ اور یہی ہیں وہ لوگ جو حقیقتاً متقی ہیں''

اس آیہ مبارکہ کے بارے میں اس ترجمے کو ذہن میں رکھ کر اب چند باتیں نوٹ کیجئے ۔ سب سے پہلی بات یہ کہ یہ ایک آیت ہے اور ہمارا پہلا سبق ایک سورۃ پر مشتمل تھا لیکن یہ آیت اُس سُورۃ کے مقابلہ میں حُجم کے اعتبار سے کئی گنا بڑی ہے ۔ اس کے حوالے سے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ قرآن حکیم میں آیات چھوٹی بھی ہیں بڑی بھی ۔ صرف ایک لفظ پر مشتمل بھی آیت ہے '' والعصر '' آیت مکمل ہو گئی ۔ حروفِ مقطعات پر مشتمل بھی آیات ہیں اور اتنی طویل آیات بھی ہیں کہ جن میں سے ایک کا اس وقت ہم مطالعہ کر رہے ہیں ۔ سورتیں چھوٹی بھی ہیں بڑی بھی ہیں سُورۃ العصر ــ بہت مختصر ہے اور سورۃ البقرہ ۲۸۶ آیات پر مشتمل اڑھائی سیپاروں پر پھیلی ہوئی ہے ۔ یہ تمام امور اصطلاحاً ہم یہ کہتے ہیں کہ توقیفی ہیں ۔ یعنی اس میں کسی گرامر کے اصول کو یا کسی منطق کے قاعدے کو دخل نہیں ہے ۔ یہ انسانی اجتہاد پر مبنی نہیں ہے ــ اس کا انسان کی اپنی سوچ اور قیاس پر مدار نہیں ہے ۔ بلکہ یہ امور ہمیں معلوم ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے سے ۔ یہ موقوف علیہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے سے ۔ یہ تمام امور توقیفی کہلاتے ہیں ۔

دوسری بات یہ ہے کہ جہاں تک اس سورۃ مبارکہ کے مضامین کا تعلق ہے اگر غور کریں گے تو بڑی گہری مناسبت اور مشابہت ہے اس کے مضامین میں اور سورۃ العصر میں — ذرا یاد کیجئے کہ سورۃ العصر میں ہمارے سامنے انسان کی فوز و فلاح کے چار لوازم آئے تھے - ایمان - عمل صالح - تواصی بالحق اور تواصی بالصبر — اب ذرا اس آیت پر غور کیجئے -

سورۃ العصر میں ایک جامع اصطلاح عنوان کے طور پر آئی تھی "ایمان" — یہاں پانچ ایمانیات کا ذکر ہے - وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ — اس کی بالکل وہی تشبیہ ہے کہ جیسے ایک کلی ہوتی ہے جو ابھی کھلی نہ ہو اس میں پتیاں ہوتی ہیں لیکن نمایاں نہیں ہیں - وہ کھلتی ہے - پھول بنتا ہے اور پتیاں ظاہر ہو جاتی ہیں - تو لفظ ایمان میں یہ تمام مضامین موجود ہیں لیکن سورۃ والعصر میں وہ ابھی ایک بند کلی کے مانند ہیں - تو اس آیۃ مبارکہ میں ہم نے دیکھا کہ وہ کلی کھل گئی - پھول بن گیا - پانچ پتیاں نمودار ہو گئیں - ایمان کسے کہتے ہیں؟ اللہ پر ایمان - ملائکہ پر ایمان - یوم آخر پر ایمان - کتابوں پر ایمان - انبیاء پر ایمان -

سورۃ العصر میں دوسرا جامع عنوان آیا "عمل صالح" — اب اسکی کوئی تفصیل وہاں ممکن نہیں تھی - یہاں اگر غور کریں گے تو عمل صالح کے اس جامع عنوان کے تحت ہم تین ذیلی عنوان قائم کر سکتے ہیں -

سب سے پہلا ہو گا "انسانی ہمدردی اور خدمت خلق کا عنوان" یعنی انسان اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی - اپنی دولت جو اُسے طبعاً مرغوب ہے - محبوب ہے - اُس کی اس محبت کے علی الرغم اپنے ابنائے نوع کی تکلیف کو دور کرنے میں صرف کر سکے - یہ انسانی ہمدردی اور خدمت خلق کا ذیلی عنوان ہو گا -

دوسرا ذیلی عنوان بن جائے گا "عبادات" حقوق اللہ - جن میں نماز آ گئی اور زکوٰۃ آ گئی - وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ -

تیسرا ذیلی عنوان ہوگا "معاملات" اس لئے کہ آپ غور کریں گے کہ ایفائے عہد کا درحقیقت تعلق - معاملات انسانی سے ہے - ہمارے تمام انسانی معاملات - لین دین ہے - کاروبار ہے EMPLOYER اور EMPLOYEE RELATION-SHIP یعنی آجر و مستاجر (ملازمت و اجرت) ہے - شادی بھی ایک SOCIAL CONTRACT ہے - ان تمام انسانی معاملات کی اصل بنیاد عہد اور معاہدے پر قائم ہے - ایفائے عہد اگر کسی معاشرے میں پیدا ہو جائے تو یوں سمجھئے کہ Human Relation کی stream - lining ہو جائے گی - پورے انسانی تعلقات کا معاملہ درست ہو جائے گا -

سورۃ العصر میں "عمل صالح" ایک جامع اصطلاح تھی - یہاں اس کے تین ذیلی عنوانات ہمارے سامنے آئے اور اگر اس کے لئے میں مثال دوں تو یہ بالکل ایسے ہے جیسے ایک درخت کا تنا ہو اور اس تنے سے تین بڑی بڑی شاخیں نکلیں - تو عمل صالح جو سورۃ العصر میں آیا وہ تنے کے مانند ہے اور اس سے جو تین بڑی بڑی شاخیں نکلتی ہوئی ہمیں اس آیۂ مبارکہ میں نظر آرہی ہیں - وہ ہیں : انسانی ہمدردی اور خدمت خلق ، عبادات اور معاملات انسانی میں ایفائے عہد -

سورۃ العصر میں آخری چیز آئی تواصی بالصبر - اور اب یہاں دیکھئے یہ آیت بھی ختم ہو رہی ہے : وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط - "اور بالخصوص صبر کرنے والے" - اور صبر کے جو مقامات یا جو مواقع ہیں ان میں سے تین کا ذکر کر دیا - جیسے عمل صالح کے تین ذیلی عنوانات آئے - تو صبر کے تین مواقع کا ذکر کر دیا گیا - پہلا "البأساء" باساء کہتے ہیں - فقر و فاقہ اور تنگی کو - "والضرّاء" یہ ضرر سے بنا ہے - تکلیف ہو - جسمانی اذیت ہو - ذہنی کوفت ہو اور ظاہر بات ہے کہ صبر و صابرت اور

ثبات و استقلال کا اصل امتحان جو ہوتا ہے تو اسکا آخری میدان میدانِ جنگ ہے۔ جہاں انسان جان کی بازی کھیلتا ہے۔ جہاں وہ نقدِ جان ہتھیلی پر رکھ کر اُس کا RISK لیتے ہوئے میدان میں آتا ہے۔

سورۂ عصر کے ساتھ اس آیت کے مضامین کا بڑا گہرا ربط ہے اور اسی مناسبت سے ہم نے اس منتخب نصاب میں اس کو سبق ۲ کی حیثیت سے شامل کیا ہے۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ اس آیہ مبارکہ کا اصل مضمون کیا ہے؟ اس کا آغاز ہوتا ہے "لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ" "نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو مشرق و مغرب کی طرف پھیر لو" یعنی نیکی کے ایک محدود تصور کی نفی سے بات شروع ہوئی۔ آگے فرمایا: "وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ" اور اس کے بعد نیکی کا ایک جامع اور مکمل تصور پیش کیا۔ یہ اس آیۂ مبارکہ کا گویا اصل موضوع اور مضمون ہے۔

اب سب سے پہلے تو میں یہ چاہونگا کہ آپ اس موضوع کی اہمیت کو جانیئے۔ دیکھیئے جس طرح ہماری مادی زندگی ہے۔ اُس کے لیئے کچھ چیزیں بنیادی لوازم کی حیثیت سے ہیں۔ ان کے بغیر ہماری زندگی کا تسلسل برقرار نہیں رہ سکتا۔ مثلاً ہوا ہے۔ ہوا کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ پانی ہے۔ پانی کے بغیر زندگی کا کوئی تصور نہیں۔ بالکل اسی طرح انسان کی ایک معنوی زندگی ہے۔ اُسکی انا یا خودی کا زندہ رہنا۔ برقرار رہنا Integrated Form میں رہنا اس کے لیئے یہ چیز لازمی ہے کہ ہر انسان نیکی کے کسی نہ کسی تصور کو اختیار کرے اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرے خواہ وہ زندگی کے دوسرے پہلوؤں کے اعتبار سے کتنا ہی بُرا انسان ہو۔ لیکن اُسکی یہ مجبوری ہے کہ وہ نیکی کا کوئی نہ کوئی کھاتہ اپنی زندگی میں کھولے اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرے کہ اگرچہ میرے اندر

یہ برائی اور یہ برائی ہے - پھر یہاں وہ Rationalise کرتا ہے۔ اور Justify کرتا ہے کہ میں جس برائی میں مبتلا ہوں اس کیلئے میری یہ مجبوری ہے وہ مجبوری ہے - لیکن میں نے نیکی کا یہ کام بھی کیا ہے۔ میں نے یہ بھلائی بھی کی ہے - اس طرح وہ اپنے ضمیر کی خلش کو مٹاتا ہے اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرتا ہے -

چنانچہ میں آپکو دعوت دونگا کہ ہمارے معاشرے کے سب سے زیادہ اخلاقی اعتبار سے جو گرے ہوئے طبقات شمار ہوتے ہیں انکا اگر آپ جائزہ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ نیکی کا کوئی نہ کوئی تصور ان کے ہاں بھی موجود ہے یہ تو میں نے ذرا اُن طبقات کی بات کی ہے کہ جن کے بارے میں ہماری رائے اچھی نہیں ہے - اس سے آپ آگے آئیے - تین طبقات آپکو شرفاء میں ملیں گے کہ جن کے نیکی کے تصورات ایک دوسرے سے مختلف ہیں - مثلاً ہمارے ہاں ایک طبقہ کچھ کاروباری حضرات اور تاجر پیشہ لوگوں پر مشتمل ہے - یہ لوگ دیندار ہیں - نماز، روزہ حج - زکوٰۃ - عمرہ - مدارس دینی کی خدمت - علماء کی خدمت - اس میں یہ لوگ پیش پیش ہیں - لیکن نظر آئے گا - الّا ماشاءاللہ - اس طبقے کی ایسی باتیں سامنے آئیں گی - جیسے ٹیکس کو بچانے کے لئے غلط حساب کتاب بھی ہو رہا ہے - بلیک مارکیٹنگ اور اسمگلنگ بھی ہو رہی ہے - ذخیرہ اندوزی بھی ہے اور ملاوٹ بھی - سودی معاملات میں بھی ملوث ہیں - اسی طریقے سے کبھی محسوس ہوگا کہ اگرچہ ویسے تو نمازی ہیں - حاجی بھی ہیں - نیک بھی ہیں - لیکن بڑے کٹھور دل ہیں - دل میں نرمی والی کیفیت موجود نہیں - اب یہ آپ کو ملغوبہ مل رہا ہے کہ ایک طرف بھلائی ہے - نیکی ہے - خیر ہے - اور اسکے ساتھ بعض چیزیں وہ ہیں جو اخلاقی اور دینی اعتبار سے مناسبت نہیں رکھتیں - ایک بالکل دوسرا طبقہ اسکے برعکس آپکو ملے گا - اپنے ہاں کے یہ جدید تعلیم یافتہ لوگ - وہاں یہ بات آپکے سننے میں آئے گی کہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ انسان کسی کو

وضو کا نہ ٹے - اصل نیکی یہ ہے کہ انسان اپنے فرائض منصبی صحیح طور پر ادا کرے -
باقی نماز - روزہ ، یہ اس کا بھی اور ذاتی معاملہ ہے اگر کوئی کرتا ہے تو اپنے لئے
کرتا ہے - اگر نہیں کرتا تو بہر حال یہ بھی اس کا اپنا ذاتی معاملہ ہے - معلوم ہوا
کہ یہ تصور نیکی بالکل برعکس ہے - اُس تصور نیکی سے جس کا پہلے بیان ہوا - ایک
اور ہمارے ہاں بعض اوقات عدم توازن نظر آجائے گا کہ اکثر لوگوں کی دین
ظاہر پر تو بڑی کڑی نگاہ ہے اس کے بارے میں حساس بھی بہت ہیں - ذرا
سی کمی بیشی کو بھی گوارا کرنے کو تیار نہیں ہوتے - لیکن جو رُوحِ دین ہے - اصل
تقویٰ ہے - اصل خدا ترسی ہے - اس پر اتنی توجہ نہیں ہوتی جتنی کہ دین کے
مظاہر اور ظواہر پر ہے یہ مختلف نیکی کے تصورات آپکو خود اپنے معاشرے میں
ملیں گے -

یہ جو میں نے آخری بات کا ذکر کیا ہے اُس کے حوالے سے یہ آیت شروع
ہوئی ہے - نماز کا ایک ظاہر ہے - اسمیں آپ قبلہ رو ہو کر کھڑے ہوتے ہیں -
یہ اُس کے ظاہر کا ایک جزو ہے - شرط ہے - اب اسکی اہمیت اپنی جگہ ہے
لیکن جب کچھ لوگوں میں ظواہر ہی کی اہمیت رہ جاتی ہے اور جو اصل روحِ نماز
ہے اس پر سے توجہ کم ہو جاتی ہے تو پھر وہ ایک غیر متوازن کیفیت ظہور میں
آتی ہے کہ جو اصلاً مطلوب نہیں - اس کو علامہ اقبال نے کہا کہ

شوق اگر تیرا نہ ہو میری نماز کا امام
میرا سجود بھی حجاب میرا قیام بھی حجاب

اور

عقل و دل نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

اس تصورِ نیکی کی نفی سے بات شروع ہوئی اور اس کے پس منظر میں
نفی کے بعد اثبات آیا - اصل نیکی کیا ہے ! نیکی حقیقتاً کسے کہتے ہیں ! یہ وہ
گفتگو ہے کہ جو اب انشاء اللہ آئندہ درس میں جاری رہے گی - اب جو کچھ

میں نے اس وقت عرض کیا ہے اُسکے بارے میں اگر کوئی وضاحت مطلوب ہو تو میں حاضر ہوں ۔

سوال : اس آیت میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ سمتوں کی کوئی اہمیت نہیں پھر ایک خاص سمت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے پر اتنا زور کیوں دیا گیا ہے ۔؟

جواب : بہت اچھا سوال ہے ۔ اصل میں ترجمے کی طرف آپنے توجہ نہیں کی ۔ میں نے یہ ترجمہ کیا تھا کہ "وہ نیکی یہی نہیں ہے"، یعنی قبلہ رو ہونا بھی نیکی ہے ۔ لیکن صرف یہی نیکی نہیں ہے ۔ ظاہر کی بھی اہمیت ہے لیکن یہاں جس چیز پہ زور دینا مقصود ہے وہ یہ کہ کُل نیکی اسی کو نہ سمجھ بیٹھنا ۔ چنانچہ قرآن مجید میں یہ مضمون اس سے پہلے بھی آیا ہے ۔ لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ۔ مشرق و مغرب سب اللہ کے ہیں ۔ جدھر بھی رُخ کر لو گے سب اللہ کے رُخ ہیں لیکن دوسری طرف یہ دیکھئے کہ ایک سمت کا تعین بہت ضروری ہے ۔ ورنہ تو کوئی ہم آہنگی نہیں ہو گی ۔ یکسانی نہیں ہو گی ۔ ایک اجتماعی (COLLECTIVE) صورت میں نماز کی ادائیگی ممکن نہیں رہے گی ۔ کسی کا رُخ مشرق کو ہو گا تو کسی کا مغرب کو ۔ لہذا قبلے کے تعین کی اپنی مصلحت ہے ۔ یہ اس کا اپنا فائدہ ہے ۔ تو اس لئے اس پر بھی زور دیا جائے گا ۔ لیکن اصل بات جو کہی ہے وہ یہ ہے کہ نگاہوں کو صرف ظواہر اور مظاہر تک محدود نہ رکھو ۔ بلکہ اُس روحِ برّ اور تقویٰ کو سمجھنے کی کوشش کرو جو اس آیہ مبارکہ میں بیان ہوئی ہے ۔

سوال : انسان ایمان اور اعمالِ صالحہ سے خالی ہو ۔ بُرے افعال اور اعمال بھی کرتا ہے اس کا کردار صحیح نہ ہو تو کیا سبیل لگا دینا، مسجد بنا دینا، کوئی اور ایسا خیر کا کام کرنا اس کو فائدہ دے گا ۔؟

جواب : اس سوال کا جواب اس آیت میں صرف ترجمے سے ہی سمجھ میں آجاتا ہے کہ نیکی ایک کُل ہے ۔ وہ ایک رُوحِ باطنی ہے جو انسانی شخصیت

میں سرایت کرتی ہے تو اسکی پوری شخصیت کو ایک رنگ میں رنگ دیتی ہے ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم ظاہری عمل یعنی DISCRETE ACTION پر حکم لگاتے ہیں کہ یہ نیکی کا کام ہے - یہ بدی کا کام ہے - اس لئے کہ ہم اس کے صرف ظاہر کو دیکھ سکتے ہیں ایک شخص نے کسی کو ایک روپیہ دیا اس نے خیرات کی ہم یہی سمجھیں گے کہ نیکی کا کام کیا - لیکن ہو سکتا ہے کہ اس کے پیشِ نظر ریاکاری ہو - وہ لوگوں پر اپنی نیکی کی دھونس جمانا چاہتا ہو۔ یا وہ یہ چاہتا ہو کہ وہ شخص ذرا میرے سامنے گردن جھکا کر رہے جسکو میں نے ایک روپیہ دیا ہے : تو قرآن مجید کی رو سے پھر وہ نیکی نہیں بلکہ نیکی تو اس پورے مجموعے کا نام ہے - یہ رُوحِ بِر جب ایک انسانی شخصیت میں سرائت کرکے ظہور کرتی ہے تو وہ جو صبغت اللہ سامنے آئے گا - وہ جو پوری شخصیت رنگ میں رنگی جاتی ہے، وہ رنگ ہے جو اس آیۂ مبارکہ میں پورے طور پر پیش کیا گیا ہے -

سوال : اس آیت کا خطاب صرف مسلمانوں کے لئے ہے یا سب کے لئے ہے — ؟

جواب :- یہ آیۂ مبارکہ نازل ہوئی تھی تو مسلمانوں ہی سے خطاب کرتے ہوتے ایک خاص پس منظر میں نازل ہوئی تھی - وہ پس منظر تحویلِ قبلہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ مکرمہ میں رہے ہیں تو بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ یہ اہتمام فرماتے تھے کہ خانہ کعبہ کی جو جنوبی دیوار ہے اسکی طرف رُخ کر کے کھڑے ہوتے تھے - رکن یمانی اور حجر اسود کے مابین۔ تو جب آپؐ کعبے کی طرف رُخ کرتے تھے تو کعبہ بھی سامنے آگیا اور جغرافیہ کے نقشے میں ذرا دیکھئے تو شمال کی سیدھ میں مسجد اقصےٰ بھی ہے - تو مسجد اقصےٰ کی طرف بھی رُخ ہو گیا - اسکو کہتے ہیں استقبال قبلتین - دونوں قبلوں کی طرف بیک وقت رُخ کر لیا - لیکن جب آپؐ ہجرت فرما کر مدینے تشریف

لے آئے تو اب مسئلہ پیچیدہ ہوگیا اس لئے کہ مدینہ منورہ درمیان میں ہے۔مکہ مکرمہ اس کے جنوب میں ہے۔بیت المقدس اسکے شمال میں ہے۔اب اگر اُدھر رخ کرتے ہیں تو اِدھر پیٹھ ہوگی۔اور اگر اُدھر رُخ کرتے تو اِدھر پیٹھ ہوگی۔اس مسئلے کا حل یہ ہوا کہ جب تک قرآن مجید میں نیا حکم نازل نہ ہوجائے تو سابقہ اُمت مسلمہ یعنی یہود کا جو قبلہ تھا اُسی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا اور سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھی۔لیکن آپکو انتظار شدت سے رہا کہ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوجائے چنانچہ دوسرا پارہ جہاں سے شروع ہوتا ہے۔اس کے پہلے دو رکوع یعنی ۱۷ویں اور ۱۸ ویں رکوع میں ساری بحث اسی سے متعلق ہے۔

"قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا"

"اے نبی ہم آپکے چہرہ مبارک کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا دیکھتے رہے ہیں۔تو اب ہم آپکا رُخ اُسی طرف کردیتے ہیں۔اُسی کو قبلہ معین کر دیتے ہیں جو آپکو پسند ہے"۔اور تحویل کا حکم آگیا۔

حضرات بس اب وقت ختم ہوا۔ابھی ہمیں اس آیہ مبارکہ کے بارے میں مزید گفتگو کرنی ہے۔لہٰذا مزید سوالات جو آپ کے ذہن میں آرہے ہیں، ان کا حل ان شاء اللہ آئندہ گفتگو میں آپکو مل جائیگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

* *

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ. قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ

عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا اَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ

* *

خطاب ۲

ڈاکٹر اسرار احمد

آخری قسط

اِصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصوّر

(گذشتہ سے پیوستہ)

بسم اللہ اولہٗ و آخرہٗ

کسی چیز کو وسیع ترین اور بڑے پیمانے پر کسی معاشرے کے افراد کے ذہنوں اور دلوں میں اتارنے کے لئے حکومت کی سطح پر تین بڑے اور مؤثر ذرائع ہیں۔ پہلا ذریعہ ہے پریس۔ دوسرا ذریعہ ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذرائع ابلاغ ہیں۔ پریس بھی ایک ذریعہ ابلاغ ہی ہے لیکن اس کو میں نے علیحدہ اس لئے رکھا ہے کہ اس کو حکومت کی گرفت سے آزاد بھی کہا جاسکتا ہے۔ یہ پبلک سیکٹر میں بھی ہے۔ لوگوں کے اپنے ہاتھ میں بھی ہے۔ جو بڑی حد تک اس کو اپنی سوچ اور اپنی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ریڈیو اور ٹیلیویژن کو میں نے علیحدہ اس لئے کر دیا ہے کہ یہ دونوں سراسر اور بالکلیہ حکومت کے ہاتھ میں ہیں — یورپ اور خاص طور پر امریکہ میں یہ ادارے بظاہر آزاد ہیں۔ میں نے 'بظاہر' کیوں کہا! اس لئے کہ درحقیقت یہ وہاں بھی آزاد نہیں ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان پر تسلط حکومت کا نہیں ہے۔ سرمایہ دار کا ہے۔ وہاں یہ ذرائع ابلاغ سرمایہ داری کی گرفت میں ہیں۔ عام آدمی وہاں بھی اسی طریقے سے ان کی زد میں رہتا ہے جس طریقے سے حکومت کے ہاتھ میں یہ ذرائع ہونے کی صورت میں رہتا ہے۔ وہاں بھی عوام الناس کی آزادانہ سوچ اور فکر پروان نہیں چڑھ سکتی، وہاں سرمایہ دار اپنے مفادات کے مطابق ان ذرائع ابلاغ کو ایکسپلائٹ کرتا ہے — پھر یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ یورپ اور خاص طور پر امریکہ میں Top کے سرمایہ دار یہودی ہیں جو اپنی سرمایہ داری کے بل پر ذرائع ابلاغ پر بھی مسلط ہیں اور یوں

حکومت پر بھی اقلیت اور وہ بھی نہایت حقیر اقلیت کے باوجود یہود ہی کی پالیسیاں اثر انداز بلکہ نافذ العمل ہوتی ہیں ــــــ علامہ اقبال نے تو آج سے تقریباً پچاس ساٹھ سال قبل ہی اس حقیقت کا ادراک کر لیا تھا کہ ؏ فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے آج یورپ بالخصوص امریکہ میں یہی صورت حال فی الواقع موجود ہے ــــــ اس گرفت اور قابو کے عوامل میں ایک طرف ان یہود کی سرمایہ داری ہے اور دوسری طرف یہ حقیقت ہے کہ اپنے سرمایہ کے بل پر ان تمام ممالک کے ذرائع ابلاغ ــــ پریس، ریڈیو، ٹیلیویژن حتّٰی کہ فلم انڈسٹری پر ان یہود کا تسلّط ہے۔ بہرحال ہمارے ہاں تو ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر کامل تسلّط حکومت کا ہے۔ اس میں کسی نجی (PRIVATE) ادارے کا عمل دخل نہیں ہے ــــــ تیسرا ذریعہ ہے نظامِ تعلیم۔

اب میں چاہوں گا کہ ان میں سے ایک ایک کے حلقۂ اثر اور نفوذ کا جائزہ لیا جائے ــــ پریس کا معاملہ یہ ہے کہ اگرچہ اس کا ایک حصّہ تو وہ ہے جو ــ پریس ٹرسٹ ــــ کے ذریعے سے حکومت کے زیرِ اثر ہے لیکن اس وقت آزاد پریس کی بات کروں گا۔ ان میں دو بیماریاں اس طرح جڑ پکڑ چکی ہیں کہ انہوں نے اس صحتمند صحافت کا دور ختم کر کے رکھ دیا ہے جب پریس کے ذریعہ صاحب فکر لوگ اپنا تعمیری فکر عوام کے اذہان میں منتقل کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ ماضی قریب میں ایسے بہت سے اہلِ فکر و نظر بزرگ گزرے ہیں جنہوں نے اعلیٰ پیمانے پر یہ خدمت انجام دی ہے۔ بے شمار حضرات میں سے چند بزرگوں کے نام اس وقت ذہن میں آرہے ہیں، جیسے ضیغمِ حق، مردِ حُر مولانا ظفر علی خاں مرحوم کی صحافت، بطلِ حرّیت مولانا محمد علی جوہر مرحوم کی صحافت، الہلال اور البلاغ کے دور کے ضیغم حق مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم کی صحافت جس کے ذریعے اس دور میں دعوت رجوع الی القرآن اور پیغام جہاد کا غلغلہ بلند ہوا ــــ خود مولانا سیّد ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور ــــ موجودہ دور کے ایک عظیم مفکرِ اسلام ــــ جنہوں نے مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم کی دعوت کو ایک عظیم تحریک کی شکل میں برپا کیا ــــ خود بنیادی طور پر صحافی تھے ــــ انہوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز بطور صحافی کیا۔ بالکل نوعمری کے دور میں وہ "تاج" آگرہ اور بعدہٗ چند سال تک جمعیت العلماء ہند کے ترجمان "الجمعیت" دہلی کے

مدیر رہے ۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہاں سے علیحدہ ہونے کے بعد مولانا مرحوم کسی روزنامے یا ہفت روزہ سے وابستہ نہیں رہے اور بقیہ ساری عمر وہ ماہنامہ ہی نکالتے رہے ۔ مولانا مرحوم خود اپنے آپ کو بنیادی طور پر 'صحافی' ہی قرار دیتے تھے ۔ مجھے ایک معتبر صاحب نے کبھی بتایا تھا کہ پاسپورٹ کے فارم میں ذریعۂ معاش کے کالم میں مولانا نے 'صحافت' درج کیا تھا ـــــ یہ صحافت تعمیری صحافت تھی' اس میں درویشی تھی' وہ بامقصد صحافت تھی' اس کا بنیادی نقطۂ نظر یہ تھا کہ معاشرے کو صالح فکری غذا پہنچائی جائے ـــــ

آج کی صحافت کا معاملہ یہ ہے کہ یہ بات بطورِ مسلّمہ مانی جاتی ہے کہ اب یہ ایک انڈسٹری ہے ۔ یہ درحقیقت حصول منفعت اور طلب منفعت کا ایک ذریعہ ہے جیسے ایک کارخانہ ہے' اس میں سرمایہ لگانے والوں کو اپنے منافع سے اور اس میں کام کرنے والوں کو اپنے معاوضے سے غرض ہوتی ہے ۔ اسی طریقے سے صحافت فی الوقت بنیادی طور پر ایک انڈسٹری بن گئی ہے ۔ پھر یہ کہ اب کچھ زہر دار باطل نظریات بھی آچکے ہیں ' جن کی گرفت ہمارے اکثر و بیشتر صحافیوں کے اذہان پر بڑی مضبوط ہے ـــــ مالکان کا عموماً حال یہ ہے کہ جیسے کبھی 'ادب برائے ادب' کا نقطہ نظر تھا اب ان مالکان کا نقطۂ نظر 'صحافت برائے صحافت' ہے ـــــ ان کو تو اپنی ذاتی منفعت سے غرض ہے ۔ ان کی طرف سے بھاڑ میں جائے اصلاحِ معاشرہ ۔ معاشرے میں جس چیز کی مانگ ہے' ان کا فلسفہ یہ ہے کہ اس مانگ کو اور بڑھاؤ' خوب غذا دو' اس میں مسابقت کرو' یہی چیز ان کے لئے سونے کی کان ثابت ہوگی ـــ اب رہا صحافیوں کا معاملہ ! تو اس کو سمجھنے کے لئے آپ کو نصف صدی پیچھے کی طرف لوٹنا ہوگا ۔ جب برصغیر پاک و ہند میں " ادب برائے زندگی' کا نظریہ بڑے زور و شور سے آندھی کے مانند اٹھا تھا اور " ترقی پسند ادب " کے نام سے ادب میں عریانی ' فحاشی ' لذّت پسندی کے (SUGAR COATED) ادب کے ذریعہ مادہ پرستی' الحاد' اباحیت اور اشتراکیت ہمارے پڑھے لکھے طبقے میں اتارنے کی بڑی منظم مہم شروع کی گئی تھی ـــ اس ترقی پسند ادب کے علمبرداروں کا فلسفہ یہ تھا اور اب بھی ہے کہ ادب کے ذریعہ وعظ کہنا بالکل

غلط ہے ۔ ادب تو ایک آئینہ کے مانند ہوتا ہے ۔ آئینہ اصل حقیقت کی عکاسی کرتا ہے اسی طرح ادب کو بھی معاشرے کے حقیقی خدوخال کا عکاس ہونا چاہئیے ۔ گویا ان کے نزدیک گندے کپڑوں کی برسرِعام نمائش ہی ادب کی معراج ہے ۔ چنانچہ اس فلسفہ کے تحت ادب اور صحافت کے ذریعے عریانی وفحش افسانوں ، ڈراموں کا جو سیلاب آیا ہے ، وہ رکا نہیں ہے ۔ البتہ وہ مصلحت بینی کی خاطر مختلف روپ اور بھیس بدلتا رہا ہے اور کسی نہ کسی بھیس میں آج بھی ہماری دینی ، اخلاقی ، معاشرتی اقدار و روایات کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے اور سرطان کی طرح جسد ملی پر مسلط ہے ۔ الغرض آج ہماری صحافت کا بالعموم مطمح نظر یہ ہے کہ معاشرے میں فی الواقع جو کچھ ہے ہمیں تو اس کی عکاسی کرنی ہے ۔ اس کے معاشرے پر مثبت اثرات مترتب ہوتے ہیں یا منفی ۔ اس سے ہمیں کوئی غرض نہیں ۔

اب سوچیے کہ جب صحافت انڈسٹری بھی بن گئی اور صحافت کا نظریہ بھی یہ ہو کہ جو کچھ معاشرے میں ہے ہمیں اسی کی عکاسی کرنی ہے ۔ ہمیں کوئی وعظ نہیں کہنا ۔ کسی اصلاح کا کوئی نظریہ اپنی طرف سے لوگوں کے ذہنوں میں نہیں انڈیلنا ۔ لہٰذا نتیجہ پھر یہی ہے کہ جس چیز کی مارکیٹ میں ڈیمانڈ ہے وہ ہی آپ کو PRODUCE کرنی ہوگی ۔ بلکہ باقاعدہ VICIOUS CIRCLE چلایا جائے گا ۔ اس کی ڈیمانڈ پیدا کی جائے گی ــــــ جیسے ہر انڈسٹری کے لئے یہ کام ناگزیر ہوتا ہے کہ اپنے آئٹم کی ڈیمانڈ کو TACKLE کیا جائے ۔ مارکیٹ کے رجحان پر نظر رکھی جائے ۔ اس تمام دوڑ دھوپ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ڈیمانڈ میں روز بروز اضافہ ہوتا ہے اور یہ فعل مسلسل اور دوطرفہ جاری رہتا ہے ــــ ہوس کی تو کوئی حد نہیں ہوتی چاہے وہ مال کی ہو ۔ چاہے لذت کوشی کی ہو ۔ اور اسی طرح منافع خوری کی بھوک بھی بڑھتی رہتی ہے اور لذت کوشی کی ہوس اور بھوک بھی ۔ یہ ہے صحیح صورت حال اور اصل وطیرہ جو ہماری موجودہ صحافت میں نمایاں نظر آرہا ہے ۔ اس سے پورے ملک کی صحافت میں جو لوگ محفوظ ہیں ان کی حیثیت ایک بحرِ بیکراں کے مقابلے میں ایک چھوٹی سی آب جو سے بھی فروتر ہے ــــــ اس صحافت کے ذریعے ذہنوں اور دلوں میں قرآن کہاں اتر سکتا ہے ۔ یہ ضرور ہوتا ہے کہ ایک مستقل

کالم قرآن مجید کے ترجمے یا کسی دینی موضوع کے لئے مخصوص کیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ ادارتی صفحہ کی لوح پر کوئی آیت یا حدیث کا ترجمہ ضرور درج ہوتا ہے۔ ہفتے میں ایک ایڈیشن میں مذہبی امور کے لئے چند پورے کے پورے صفحات بھی مخصوص ہوتے ہیں۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ موجودہ صحافت کا جو MAIN CURRENT ہے۔ اس میں کسی درجے میں بھی صحافت کے ذریعے قرآن حکیم کا نفوذ اور دینی اقدار کا فروغ اس کی تعلیم و تدریس اور تربیت، دینی لحاظ سے معاشرے کے اذہان و قلوب کی اصلاح کا نظریہ و مقصد موجودہ صحافت کے پیشِ نظر تقریباً معدوم کے درجے میں ہے۔ بلکہ اصل کام اس کے بالکل برعکس اور برخلاف بڑی اعلیٰ ٹیکنیک کے ساتھ جاری وساری ہے اور اس میدان میں آزاد پریس اور حکومت کے 'پریس ٹرسٹ' کے اخبارات و جرائد میں مسابقت کی ایک دوڑ لگی ہوئی ہے۔

رہا ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا معاملہ! ــــ تو یہ دونوں ذرائع ابلاغ تو براہِ راست حکومت کے کنٹرول میں ہیں۔ ان کا معاملہ پریس سے قدرے مختلف ہے۔ اس ضمن میں حکومت کی اپنی مصلحتیں ہیں اور مجبوریاں بھی۔ مصلحتیں تو یہ ہیں کہ معاشرے میں تفریح کا جو رجحان انتہا تک پہنچایا جا چکا ہے، اس کی رعایت ضروری ہے۔ تفریحات میں ملت و قوم کو اس طرح مخمور رکھو کہ سنجیدہ مسائل پر دھیان دینے اور غور و فکر کرنے کا اسے موقع ہی نہ ملے۔ اس معاملے میں پریس اور ان ذرائع ابلاغ میں کمیت کا تو فرق ہو سکتا ہے، کیفیت کا نہیں۔ پھر حکومت کو اپنے کاموں کے تعارف اور "پروپیگنڈے" کے لئے بھی ان کو استعمال کرنا ہوتا ہے۔ سرکاری و نیم سرکاری تعاریب، غیر ملکی اہم شخصیتوں کی پاکستان میں آمد و رفت، ان کے استقبال اور وداع نیز پاکستان میں ان کی مصروفیات کو COVERAGE دینا ہوتا ہے۔ مجبوریاں یہ ہیں کہ اگر ان ذرائع سے فی الواقع کوئی فکر پھیلانے کی منصوبہ بندی کی جائے تو ملک میں جو فقہی یا نظریاتی مسالک اور فرقے ہیں، ان سب کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ دینی پروگرام جب تک ان مسالک اور فرقوں میں حصہ رسدی کے اعتبار سے تقسیم نہ کئے جائیں تو حکومت کو ہدف ملامت بننا پڑتا ہے۔

اس کی ساکھ کو صدمہ پہنچتا ہے۔ لہٰذا ہوتا یہ ہے کہ اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ اتنے دیوبندی علماء آئیں تو اتنے بریلوی آنے چاہئیں۔ اور اگر اتنے سُنّی آئے ہیں تو اتنے شیعہ حضرات نہیں آئے تو ایک عدم توازن پیدا ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کی وجہ سے ہمارے ہاں ان ذرائع ابلاغ سے جو کھچڑی پیش کی جاتی ہے اس کے باعث ہمارے ہاں جو فکری انتشار (CONFUSION OF IDEAS) پہلے سے موجود ہے وہ مزید بڑھ رہا ہے۔ اور PERPETUATE کر رہا ہے۔ اسی کو اور گاڑھا کیا جا رہا ہے ـــــ لہٰذا دینی پروگرام یا تو اس نقطۂ نظر سے رکھے جاتے ہیں یا تبرکاً ـــــ ایسا کوئی منصوبہ نظر نہیں آتا کہ قرآن کی اصل دعوت، اس کا حقیقی پیغام (MESSAGE) لوگوں کو پہنچایا جا رہا ہو، قرآن کو دلوں میں نفوذ کرانے کا اہتمام کیا جا رہا ہو ـــــ ذہنوں کو مسخّر کر رہا ہو ـــــ چوں بجاں در رفت والا معاملہ وہاں نظر نہیں آتا ـــ میں یہ بات تنقیداً عرض نہیں کر رہا۔ اس معاملہ میں حکومت کو واقعی مجبوریوں سے بھی سابقہ پیش آتا ہے۔ 'رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند' والا معاملہ ہے۔ اس کی اپنی مصلحتیں ہیں اور مجبوریاں بھی! انہوں نے از خود اپنے قدموں میں بیڑیاں ڈال رکھی ہیں ـــــ میں یہ باتیں شکایتاً عرض نہیں کر رہا بلکہ صحیح صورت حال کا تجزیہ کر کے آپ کے سامنے لا رہا ہوں تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ اصل میں حقیقت ہے کیا ـــــ!!

نظامِ تعلیم کی طرف آئیے تو معاملہ اور بھی دگرگوں ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس پر نوکر شاہی کی آمریت مسلّط ہے۔ جو نظامِ تعلیم میں کسی طور بھی کوئی بامقصد اور تعمیری تبدیلی کو کسی حال میں گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہے ـــــ بیوروکریسی میں کچھ اللہ کے بندے کوئی تبدیلی اگر چاہتے بھی ہوں تو وہ انتہائی اقلیّت میں ہونے کی وجہ سے بالکل بے اثر ہیں ـــــ اس کی میں تازہ ترین مثال آپ کے سامنے رکھتا ہوں وہ یہ کہ ملک میں مارشل لاء حکومت ہے اور کتنے عرصے قبل حکومت اس فیصلے کا اعلان کر چکی ہے کہ خواتین کی علیحدہ یونیورسٹیاں بنائی جائیں گی لیکن اس کی طرف ساڑھے پانچ سال کے عرصے میں "مارشل لاء حکومت" کے باوصف ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا۔ جس طرح اس حکومت سے قبل یونیورسٹیوں میں

مخلوط تعلیم جاری تھی، آج بھی جاری ہے اور کوئی آثار نظر نہیں آتے کہ اس کی طرف پیش قدمی تو در کنار کوئی منصوبہ بندی بھی ہوئی ہو ــــ پھر تقریباً اسی ساڑھے پانچ سال کے دوران " خواتین کے لئے علیحدہ کسی نوع کے ایک کالج کا قیام بھی میرے علم کی حد تک تاحال عمل میں نہیں آیا ــــ مارشل لاء حکومت سے قبل جو Women College پہلے سے موجود تھے۔ وہی برقرار ہیں۔ میں ایک اعتبار سے اسے بھی غنیمت سمجھتا ہوں۔ کیونکہ جس نظریات کی حامل نوکرشاہی کی آمریت اس ملک پر مسلط ہے اس سے بعید نہیں کہ یہ Colleges اس کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹک رہے ہوں اور وہ ان کا وجود مجبوراً گوارا کر رہی ہوں۔ غور کیجئے کہ خواتین کی یونیورسٹی کے قیام ہی میں نہیں بلکہ منصوبہ بندی تک میں رکاوٹ کون بنا ہوا ہے ــــ میں نے نہایت معتبر ذریعہ سے موجودہ حکومت کے نظام تعلیم میں بہت بلند اور اونچے آفیسرز میں سے ایک صاحب کا جن کو بلاشبہ اس نظام تعلیم کے ایک اہم ستون کی حیثیت حاصل ہے، یہ جملہ میرے گناہ گار کانوں تک پہنچا ہے کہ " اگر لڑکیوں اور لڑکوں کی یونیورسٹیاں علیحدہ علیحدہ بنا دی گئیں تو لڑکوں کی یونیورسٹیاں لڑکیوں کے بغیر اس باغ کے مانند ہونگی جس میں تتلیاں ہی نہ ہوں ـــ اور وہ باغ ہی کیا جس میں تتلیاں نہ ہوں "ــــ نوکرشاہی میں اعلیٰ عہدے پر اور محکمہ تعلیم میں فائز لوگوں کا نقطۂ نظر یہ ہو، جن کی فکر یہ ہو، جن کی سوچ یہ ہو، جن کی اقدار یہ ہوں تو کیا خواتین کی علیحدہ یونیورسٹیوں کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے !! حالانکہ فیصلہ ہو چکا ہے اور فیصلہ کرنے والی بھی " مارشل لاء حکومت " ہے۔ لیکن یہ کہ اس کی طرف عملاً ایک قدم بھی تاحال نہیں اٹھایا گیا ہے۔ یہ ہے نوکرشاہی کی آمریت کی " تابندہ " مثال ــــ جو ملک پر فی الواقع مسلط ہے۔

ایک اور اہم تر اور قابل غور بات یہ ہے کہ نظام اور ذریعہ تعلیم تو " علم " منتقل کرنے کا نام ہے۔ وہ تو ' علم ' لوگوں تک پہنچائے گا ــــ سوال یہ ہے کہ وہ نصاب تعلیم بھی موجود ہے یا نہیں جسے پہنچانا درکار ہے، جو طلبہ و طالبات کو ایک مومن کا ذہن و شعور دے سکے ـ! مجھے افسوس اور دکھ کے ساتھ عرض کرنا

پڑتا ہے کہ ایسا نصاب تعلیم جس میں ہمارا دین رچا بسا اور سمویا ہوا ہو سرے سے موجود نہیں ہے۔ نظامِ تعلیم سے لے کر نصابِ تعلیم تک، ہمارا سارے کا سارا معاملہ مغرب کی خدا ناآشنا درس گاہوں سے مستعار لیا ہوا ہے۔ ہمارے پاس تو جڑ اور بنیاد ہی اس وقت موجود نہیں ـــــ یہ بات چھوڑ دیجئے کہ دینیات و اسلامیات کا PERIOD بھی اسکول یا کالجوں میں بطورِ ضمیمہ (APPENDIX) شامل ہے۔ یا اردو کی درسی کتب میں چند مضامین دینی و اخلاقی تعلیم کے بھی شامل ہیں یا یہ کہ ہمارے یہاں "اسلامیات" کی تعلیم کا بھی ایم اے تک انتظام ہے۔ دیکھنا یہ ہوگا کہ نصابِ تعلیم کا بحیثیت مجموعی مزاج کیا ہے۔ وہ غیر محسوس طریقے سے کس نظریے، خیال اور عقیدے کو متعلمین کے ذہنوں میں اتارتا ـــ اور HAMMER کرتا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ہمارا سارا "علم" تو یورپ و امریکہ سے مستعار لیا ہوا ہے لہٰذا مجھے کوئی بتائے کہ کیا اس علم میں 'توحید' کا اثبات ہے! نبوت و رسالت، وحی اور انزالِ کتب الٰہیہ کا اثبات ہے۔ بعث بعد الموت کا اثبات ہے! حشر و نشر، جزا و سزا اور جنت و دوزخ کا اثبات ہے؟ وہاں تو الحاد ہے۔ مادّہ پرستی ہے اور دہریت ہے اور اس رائج الوقت علم کا حال تو بقول علامہ اقبال یہ ہے کہ ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا ۔۔۔ کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الّا اللہ

یہی بات اکبر الٰہ آبادی نے طنزیہ و مزاحیہ انداز سے یوں بیان کی ہے کہ ؎

یوں قتل سے بچّوں کے وہ بدنام نہ ہوتا ۔۔۔ افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اگر ہمارے یہاں نصاب ایسا رائج ہو جس میں سائنٹیفک طریقے سے علم الحقائق یعنی قرآن حکیم سمویا ہوا ہو تو دیکھتے دیکھتے ہماری نئی نسلوں کے اذہان میں عظیم تبدیلی آسکتی ہے ـــــ حتیٰ کہ خود سائنس کی کتابیں اگر قرآن حکیم کی روشنی اور تعلیم کے پیشِ نظر مرتب کی جائیں گی تو اس سے خود بخود ذہنی و فکری سطح پر ایک عظیم انقلاب برپا ہو جائے گا۔ الحاد و دہریت اور مادّہ پرستی کے اندھیارے چھٹ جائیں گے۔ اگر یہ بات سائنٹیفک طریقے سے قرآن کے استدلال کے مطابق آ جائے کہ یہ کائنات ایک اللہ کی بنائی ہوئی ہے اور جن طبعی

(PHYSICAL) قوانین کے تحت یہ رواں دواں ہے، وہ اسی کے بنائے ہوئے قوانین ہیں ـــ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ اور وہ ہر آن اس کی نگرانی اور تدبیر کر رہا ہے۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ـــ سائنس کا طالب علم جب ابتداء سے اس ذہن کے ساتھ فزکس اور کیمسٹری اور بایولوجی اور جیالوجی کو پڑھے گا تو اس کا نقطۂ نظر خالص دینی ہوتا چلا جائے گا۔ لیکن اگر ابتداء ہی سے تصور یہ دیا جائے کہ کچھ پتہ نہیں کہ اس کائنات کو کوئی بنانے اور چلانے والا ہے یا نہیں! ہم تو یہ جانتے ہیں کہ یہ کائنات بطور حادثہ (ACCIDENTALLY) وجود میں آگئی ہے اور یہ فزیکل لاز کے تحت رواں دواں ہے۔ ہمارے لئے تو قابل غور بات صرف یہ ہے کہ اس کائنات میں کن طبیعی قوانین کے تحت کیا ہو رہا ہے اور فزیکل اور کیمیکل CHANGES کے ضوابط کیا ہیں!! اگر سائنس اس ذہن سے پڑھائی جائیگی تو نتیجہ یہی نکلے گا جس کے متعلق علامہ اقبال نے کہا ہے ؎ خرد کی نامسلمانی سے فریاد! ـــ وہ نامسلمانی تو آپ سے آپ آئے گی ـــ علامہ کا ایک بڑا پیارا شعر ہے ؎

عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے! علم کے ہاتھ میں خالی ہے میان اے ساقی!

ہمارا 'علم' عشق خداوندی سے بالکل خالی ہے۔ میں نے عرض کیا تھا نا کہ علامہ کے ہاں اردو اور فارسی شاعری میں لفظ عشق ہی آیا ہے۔ محبّت کا لفظ شاذ ہی کہیں ہوگا۔ اس لفظ 'محبّت' سے مجھے علامہ کا یہ شعر یاد آگیا ؎

محبّت مجھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

اس شعر کا جو انداز ہے اس کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ اسے علامہ نے سورۂ صف کی اس آیت سے مستعار لیا ہے: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ٥ ـــ بہرحال علامہ اس شعر میں جو لفظ 'عشق' لاتے ہیں وہ محبّت و معرفتِ الٰہی کے لئے لاتے ہیں کہ ؎

عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے! عشق کے ہاتھ میں خالی ہے میان اے ساقی

اس 'علم' میں سے ایمان و عرفان والی چیز تو نکلی ہوئی ہے۔ اس سے تو یہ بالکل تہی دست ہے اس کا حال اس میان کا سا ہے جس میں تلوار ہی نہ ہو ـــ ایک خول ہے جس کے اندر کچھ نہیں ہے۔ بس چند FACTS AND FIGURES ہیں، کچھ اعداد و

شمار ہیں، کچھ DATA ہے۔ انسان انہی چکروں میں رہتا اور ان ہی کو بالذات ہی "حقیقی علم" سمجھتا ہے۔ اس میں خالق کائنات اور فاطر فطرت کا تصور سرے سے موجود ہے ہی نہیں بلکہ اس کی نفی ہے۔ تو اس وقت کائنات اور انسان سے متعلق یہ علم ہمارے پاس ہے ـــــ سائنس کے علاوہ جو دوسرے علوم ہیں ان کا تو اس سے بھی زیادہ دگرگوں معاملہ ہے۔ معاشرتی علوم کو آپ دیکھیں گے، تاریخ اور فلسفہ تاریخ کو آپ پڑھیں گے۔ نفسیات کو پڑھیں گے۔ فلسفہ کو پڑھیں گے۔ پولیٹیکل سائنس کو پڑھیں گے؛ معاشیات و اقتصادیات کو پڑھیں گے۔ عمرانیات و اخلاقیات کو پڑھیں گے تو ان کا معاملہ سائنس سے بھی گیا گزرا ہے۔ ان تمام کی رگ و پے میں مادہ پرستی، الحاد اور دہریت اس طرح سرائت کئے ہوئے ہے جیسے انسانی جسم میں خون!!

یہ ہے فی الواقع وہ صورت حال جس سے ہم دوچار ہیں۔ جب تک حقیقی علم یعنی وہ علم جس کی اساس قرآن حکیم ہو جو اپنے ظاہر اور باطن کے لحاظ سے توحید اور ایمان پر مبنی (BASE) ہو، وہ "علم" وجود میں نہ آئے محض نظام تعلیم کیا کریگا؟ جو علم آپ کے پاس ہے تعلیم اور نظام تعلیم تو اس کو متعلمین کے اذہان و قلوب میں منتقل کرنے کا ذریعہ ہے۔ وہ تو فکر و نظر اور کردار و عمل کے لئے ایک راستہ معین کرنے کا ذریعہ ہے۔ پس موجودہ علم کا قرآن حکیم کے ساتھ کوئی ربط و تعلق کوئی رشتہ و وابستگی کوئی جوڑ اور کوئی پیوند موجود ہی نہیں ہے۔ اس میں قرآن اور حکمت و استدلالِ قرآن سے ہم آہنگی موجود ہی نہیں ہے۔ ہمارے پاس جو علم دستیاب اور AVAILABLE ہے، وہ مغرب ہی سے مانگا تانگا علم ہے۔ وہیں سے آرہا ہے اور اسی کو ہم نے اختیار کیا ہوا ہے ـــــ کبھی ہم نے ان کو علم دیا تھا اور مغرب نے غرناطہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں سے علم لیا تھا۔ اب ہم وہاں جاتے ہیں اور ناک رگڑتے ہیں اور وہاں سے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں لے کر آتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ اب ہم بھکاری ہیں اور ان سے بھیک مانگ کر ان کا ہی علم لے کر آرہے ہیں اور وہیں سے علم کے لوازمات آرہے ہیں جس سے ہمارے تعلیم یافتہ طبقے کے ذہن کا وہ سانچہ بن رہا ہے جس میں اللہ، خالق کائنات، وحی، نبوت و رسالت، الہامی کتب اور بعث بعد الموت، محاسبہ اخروی کے ایمانیات

FIT ہی نہیں ہو سکتے۔ اور دین صرف ایک DOGMA بن کر رہ جاتا ہے
اکثر لوگ تو اس خواہ مخواہ کے DOGMA کو بھی تج دیتے ہیں۔
اب مسئلہ کیا ہے! معلوم یہ ہوا کہ تینوں اعتبارات سے اصلاح معاشرہ کے معاملے میں اگر حکومت واقعی مخلص ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ مخلصانہ اور مضبوط مساعی اور DETERMINED EFFORTS کرے تو بہت کچھ کرسکتی ہے۔ لیکن آپ یہ نہ سمجھئے کہ حکومت کے کہنے سے یہ سب کچھ ہو جائے گا۔ اس کی اپنی LIMITATIONS ہیں۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کی تو اپنی مصلحتوں کا معاملہ بھی ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ جن کو ہوش آگیا ہو، جن کے سامنے یہ پورا نقشہ موجود ہو، جن کے سامنے اصل مرض اور اس کی صحیح تشخیص موجود ہے، اب ان میں سے کچھ باہمت لوگ کمرِ ہمت کسیں۔ افراد میدان میں آئیں۔ اور سب سے اہم کام یہ کریں کہ قرآن حکیم کی اس فکری سطح پر نشر و اشاعت کا اہتمام کریں جو لوگوں کے ذہنوں کو مسخر کر کے ان کے قلوب میں سرایت کر سکے۔ پھر یہ کہ پورے علم کی از سر نو تدوین اس نوع سے کریں کہ تمام علوم میں قرآن حکیم رچا بسا ہو۔ خواہ فزکس پڑھائی جا رہی ہو چاہے کیمسٹری۔ چاہے جیالوجی پڑھائی جا رہی ہو یا بیالوجی ___ خواہ کوئی اور علم پڑھایا جا رہا ہو ان سب میں اور قرآن حکیم کی تعلیمات میں ہم آہنگی پورے طور پر موجود ہو ___ اب سوال یہ ہے کہ یہ کام کرے کون؟
اس مرحلہ پر پھر علامہ اقبال ہی کا شعر میرے ذہن میں آرہا ہے ؎

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

افراد آگے آئیں اور ایسے افراد ادارے بنائیں۔ اور ان کاموں کا آغاز کریں۔ جیسے جیسے معاشرے سے RESPONSE ملتا جائے، کام کو آگے بڑھایا جاتا رہے۔ اس موقع پر میں دو مثالیں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ پہلی مثال تو ہے ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم و مغفور کی ___ میں کئی مرتبہ عرض کر چکا ہوں اور لکھ بھی چکا ہوں ___ حال ہی میں ماہنامہ 'حکمت قرآن' کے شمارے میں، میں نے 'دعوت رجوع الی القرآن' کی تاریخ لکھی ہے۔ اس میں، میں نے ذکر کیا ہے کہ میں نے فہم قرآن کے لئے جن جن SOURCES سے استفادہ کیا ہے،

ان میں علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم اور ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم بھی شامل ہیں ۔ علوم سائنس کو مسلمان بنانے کے ضمن میں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی سوچ اور ان کا فکر بہت بلند ہے[1] ۔ ان کو جس شدت کے ساتھ اس کی اہمیت کا احساس ہوا، وہ مجھے اور کہیں نظر نہیں آیا ـــــ اس موقع پر بھی اس امر واقعہ کو پھر دیکھ لیجئے کہ ہمارے ہاں نوکر شاہی اور بیوروکریسی کا عمل دخل کتنا ہے ۔ اس زمانے میں جبکہ صدر ایوب مرحوم کوس لمن الملک" بجا رہے تھے، ان کا اختیار اور دبدبہ ذرا ذہن میں لائیے ۔ وہ ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کے فلسفے اور نظریات سے متاثر ہوتے ۔ اور انہوں نے چاہا کہ یہ فلسفہ نظامِ تعلیم میں سمو دیا جائے ۔ اس کے لئے انہوں نے بھرپور کوشش کی ۔ لیکن ہمارے ہاں جو بیوروکریٹک ڈکٹیٹر شپ مسلط ہے، وہ آڑے آئی اور صدر ایوب بھی، جن کے لئے اگر "حاکمِ مطلق" کی اصلاح استعمال کی جائے تو غلط نہ ہوگا، کچھ نہ کر سکے اور ساری اسکیم دھری رہ گئی ۔ اس کے بعد ایک اور مرحلہ آیا ۔ آپ کو یاد ہوگا کہ خدابخش بچہ صاحب اکثر حکومتوں کے دور میں وزیر رہے ہیں ۔ کچھ لوگوں میں صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ خود کو ہر نوع کے ماحول کے ساتھ سازگار (ADJUST) کر لیتے ہیں ۔ بچہ صاحب کو علامہ اقبال کی شاعری اور ان کے فکر سے بڑی گہری ذہنی مناسبت تھی ۔ ان کے متعلق چودھری مظفر حسین صاحب نے جو اس وقت آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس لاہور سے متعلق ہیں روایت کی ہے اور یہ روایت بھی میں نے 'حکمتِ قرآن' میں لکھ دی ہے کہ بچہ صاحب نے چودھری صاحب سے نہایت اصرار کے ساتھ فرمائش کی کہ مجھے کوئی ایسا شخص بتائیے جو نظامِ تعلیم کو اسلامی بنا سکتا ہو ۔ لیکن اس پر جماعتِ اسلامی کی چھاپ نہ ہو ۔ چونکہ جماعت سیاسی میدان میں ہے ! اس لئے کسی شخص کو لاتے ہیں تو دوسری پارٹیوں کے سیاست دانوں کے کان کھڑے ہو جائیں گے کہ یہ کیا ہو رہا ہے ؟ تو یہ مصلحتیں تھیں جن کی وجہ سے

---

[1] اس ضمن میں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی تالیف" قرآن اور علم جدید " کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا ۔ (مرتب)

وہ چاہتے تھے کہ کوئی باصلاحیت آدمی ہو لیکن اس پر جماعت اسلامی کی چھاپ نہ ہو ــــ چودھری مظفر حسین نے بتایا کہ وہ مولانا مودودی مرحوم کے پاس گئے اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔ مولانا مرحوم نے فوراً ــــ ایک لمحہ کے توقف کے بغیر ــــ کہا کہ ڈاکٹر رفیع الدین صاحب اس کام کے لئے مناسب ترین شخص ہیں ان کی خدمات سے استفادہ کیا جائے۔ ان کو بلوایا گیا اور یہ کام ان کو تفویض کیا گیا۔ لیکن پھر وہی نوکرشاہی کی آمریت آڑے آئی۔ اور ان کو کام کرنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا ــــ جب اس صورت حال سے ڈاکٹر صاحب مرحوم دوچار ہوئے تو انہوں نے وہاں سے استعفٰی دیا اور بحیثیت فرد انہوں نے اپنے فکر کے مطابق کام کے آغاز کے لئے "آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس" قائم کی ــــ فزکس کی ایک TEXT BOOK خود مرتب کرکے شائع کی اور اس کے دیباچے میں لکھا کہ اگر فزکس اور دوسرے علوم کو اس طور پر مرتب کیا جائے تو اس میں اسلام اور قرآن اور ایمان کو رچایا، بسایا اور سمویا جاسکتا ہے ــــ لیکن ہوا یہ کہ ان کی زندگی کا چراغ اچانک ایک روڈ ایکسیڈنٹ کے نتیجہ میں کراچی میں گل ہو گیا اور وہ پوری کی پوری اسکیم پھر دھری رہ گئی۔ ادارہ تو باقی رہا اور اب بھی ہے، لیکن وہ روح رواں جب نہ رہی تو جو اعوان و انصار ساتھ تھے وہ کام کو آگے نہ بڑھا سکے۔ اب چودھری مظفر حسین صاحب سوچ رہے ہیں کہ ملازمت سے فارغ ہو کر ہمہ تن اس کام کے لئے خود کو وقف کردیں۔ اللہ کرے کہ ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کا لگایا ہوا یہ پودا پروان چڑھے اور یہ ادارہ فی الواقع وہ کام کر سکے جس کی فی الوقت شدید ترین ضرورت ہے ــــ تو پہلی مثال تو ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم و مغفور کی میں نے آپ کے سامنے پیش کر دی ہے ــــ !!!

دوسری مثال میں خود اپنی پیش کرتا ہوں۔ یہ مرکزی انجمن خدام القرآن اور یہ دعوت رجوع الی القرآن ایک فرد ہی سے تو شروع ہوئی۔ یہ سن ۸۲ء کا اواخر ہے۔ میں سن ۶۵ء کے اواخر میں ساہیوال سے لاہور منتقل ہوا۔ مجھے اس فیصلے کے ساتھ کام کرتے ہوئے پورے سترہ سال ہوگئے کہ مجھے اپنی زندگی دعوت رجوع الی القرآن

کے لئے لگائی ہے۔ میں نے آج جو تجزیہ اور تشخیص آپ کے سامنے رکھی ہے اس وقت بھی یہی میرے سامنے تھی۔ بلکہ حضرت مولانا شیخ الہندؒ کی بات تو اس وقت تک میرے علم میں بھی بھی نہیں۔ وہ تو بہت بعد میں جب میرے سامنے آئی ہے تو مجھے اطمینان ہوا کہ ع متفق گردید رائے بوعلی با رائے من۔ مجھے انشراح صدر ہو گیا ـــــ علامہ اقبال کے فارسی کلام سے بھی اس وقت میرا زیادہ ربط نہیں تھا۔ جب علامہ کا فارسی کلام پڑھا اور ان کے فارسی کلام کے ذریعے عظمت قرآن کے جو حقائق سامنے آئے تو یہ بھی بعد کی بات ہے۔ اس سے قبل ہی میرا ذہن غور و فکر کے بعد اس بات پر مرتکز ہو چکا تھا کہ ' جا ایں جا است '۔ کرنے کا اصل کام یہی ہے کہ اس قرآن حکیم کو اعلیٰ علمی سطح پر تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہنوں میں پہنچانے کی اس طرح کوشش کی جائے کہ یہ پہلے فکر و شعور اور عقل و ادراک کو مسخر کرے اور وہاں سے پھر یہ قلوب میں سرایت و نفوذ کرے ۔ یہ ہے اصل میں اس دور کی اصل ضرورت ـــــ قرآنی فکر کو BY PASS کر کے کوئی دعوت اٹھائی گئی یا تحریک چلائی گئی تو معاشرہ بحیثیت مجموعی کوئی خوشگوار اور پائیدار تبدیلی کبھی قبول نہیں کریگا۔ یہ کام ہے مشکل اور کٹھن۔ کوئی آسان بات نہیں۔ اعلیٰ فکری سطح پر قرآن مجید کی قوت سے باطل نظریات سے پنجہ آزمائی کرنا سہل کام نہیں ہے۔ وعظ و نصیحت کے ذریعے سے کچھ لوگوں کے اندر سوئی ہوئی نیکی کو جگا لینا یہ نسبتاً آسان کام ہے۔ معاشرے میں معتدبہ تعداد ایسے لوگوں کی ہو گی جن کے اندر نیکی خوابیدہ ہے اور اسے بیدار کرنا ہے، اس مقصد کے لئے وعظ و نصیحت کارگر ہو جائے گی۔ لیکن جب یہ معاملہ ہو کہ ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

ذہن و شعور اور فکر و نظریہ جب باطل نظریات نے پوری طرح قابو پا رکھا ہو تو ان سے پنجہ آزمائی آسان کام نہیں۔ یہ بڑا کٹھن، نہایت دشوار، صبر آزما اور HERCULEAN کام ہے۔ لیکن جب تک یہ کام نہیں کیا جائے گا۔ معاشرے میں کوئی پائیدار اور مستحکم بنیادی و اساسی تبدیلی نہیں آئے گی۔ یہ میرے اپنے غور و فکر کا حاصل اور میری اپنی تشخیص تھی جس کے مطابق میں نے اوائل

سن ۶۵ء میں دعوت رجوع الی القرآن کا ذہن میں نقشہ بنا کر خالصتاً نصرت و تائیدِ الٰہی کے بھروسے پر سن ۶۶ء کے اوائل سے کام کا آغاز کر دیا۔ سات سال تک ایک فرد کی حیثیت سے میں نے کام کیا۔ کوئی ادارہ نہیں، کوئی تنظیم نہیں، کوئی انجمن نہیں، کوئی جماعت نہیں۔ پورا کام انفرادی طور پر ہوا۔ میں نے ماہنامہ "میثاق" بھی مولانا امین احسن اصلاحی سے لے لیا تھا۔ وہ بھی نکال رہا تھا۔ بعض مخلصین میسّر آئے اور ان کے تعاون سے مختلف مقامات پر مطالعہ درس قرآن کے حلقے قائم ہوئے۔ اس دوران پریکٹس بھی جاری رہی۔ اس دور میں میری کیفیت مولانا حسرتؔ موہانی مرحوم کے اس شعر کی کامل تصویر تھی کہ ؎

اک طرفہ تماشہ ہے حسرتؔ کی طبیعت بھی ہے مشقِ سخن جاری اور چکّی کی مشقت بھی

پریکٹس اور دعوتی کام دونوں ساتھ چل رہے تھے۔ مولانا اصلاحی کی تفسیر 'تدبّر القرآن' کی پہلی جلد اور اپنے چند چھوٹے چھوٹے رسالے اپنے ذاتی اشاعتی ادارے سے شائع کئے تاکہ دعوت و پیغامِ قرآنی کے لئے راہ ہموار ہو اور کچھ SPADE WORK انجام پا جائے۔ بالآخر میری حقیر سی کوشش بارگاہ ربّ العزّت میں قبول ہوئی اور چند فعّال اعوان و انصار مجھے عطا ہوئے جن کے تعاون سے یہ کام انفرادی سطح سے اجتماعی دور میں داخل ہوا۔ جن کے تعاون سے ۷۲ء میں مرکزی انجمن خدّام القرآن کا قیام عمل میں آیا۔ جس کا دستور آج شرکاء میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جن حضرات کو نہ ملا ہو، وہ نماز کے بعد باہر مکتبہ سے حاصل کر سکتے ہیں۔ میں آپ کو دعوت دوں گا کہ اس کا افتتاحیہ ضرور پڑھئے گا۔ یہ میری دس سال قبل کی تحریر ہے۔ اس سے آپ کے سامنے اس کام کا نقشہ سامنے آئے گا جو میں کر رہا ہوں۔ یہ وہی کام ہے جس کی ضرورت کا میں نے آج کی تقریر میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ میں جو کام کر رہا ہوں، اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے اس میں سراسر اللہ کی توفیق اور اس کا فضل و کرم میرے شاملِ حال رہا ہے اور قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے مجھے POSSESS کیا ہے۔ وہ میرے شعور و قلب پر اس طرح مسلط ہوا ہے کہ اس نے میرے لئے ہلنے جُلنے اور ادھر ادھر دیکھنے کی گنجائش ہی نہیں

چھوڑی ۔ پروفیشن ختم ہوا ۔ دعوتِ رجوع الی القرآن کی دھن اور لگن کے سوا ہر شے دل سے رخصت ہو گئی اور اب حضرت مجذوب کے شعر کے مصداق میری کیفیت یہ ہے کہ ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی　　اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

میں نے انجمن کے دستور میں حفیظ جالندھری صاحب کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے جو انہوں نے جب منظوم شاہنامہ اسلام شروع کیا تھا تو یہ شعر کہا تھا ؎

کیا فردوسیٔ مرحوم نے ایران کو زندہ!　　خدا توفیق دے تو میں کروں اسلام کو زندہ

میں نے دوسرے مصرعہ میں اپنی کیفیت کے اظہار کے لئے ایک لفظ کا تغیر کیا ہے اس طرح وہاں لکھا ہے کہ ؎ خدا توفیق دے تو میں کروں قرآن کو زندہ ۔ الحمد للہ مجھ پر اس جذبے کی اس قدر ارزانی ہوئی کہ دل سے ہر شے نکل گئی ۔ آج گیارہ سال ہو گئے کہ میں اپنا پروفیشن تج کر ہمہ وقت، ہمہ تن اور ہمہ جہت، اللہ تعالیٰ کی نصرت کے طفیل اسی کام میں لگا ہوا ہوں ۔ میں پورے انشراح صدر کے ساتھ یہ بتا رہا ہوں کہ الحمد للہ والمنہ ان گیارہ سالوں میں میرے وقت کا کوئی بھی حصّہ کسب معاش پر صرف نہیں ہوا ۔ میری توانائی، میری قوت، میری صلاحیت اور میرا وقت جو کچھ بھی ہے وہ اسی کام میں لگا ہے ۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی وقت کوئی دوسری شکل منفعت کی بھی پیدا کر دی ۔ وہ یہ کہ ٹیلیویژن اور ریڈیو کے پروگرام ملے تو ان کا معاوضہ بھی مل گیا ۔ لیکن میں نے نہ ریڈیو اور نہ ٹیلیویژن کی طرف رجوع کسی وقت بھی اس نقطۂ نظر سے نہیں کیا کہ اس سے مجھے اپنے لئے معاش پیدا کرنی ہے ۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ! لیکن ثانوی طور پر جو کچھ یافت ہو گئی ہے تو میں نے یہ سمجھا ہے کہ اللہ کی طرف سے ہے ۔ وہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ، وہی معاملہ پیدا ہے ۔ میں نے کوئی کام اپنی معاش کے حصول کے لئے نہیں کیا الحمد للہ ثم الحمد للہ

ان دس سالوں میں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے جو کام لیا ہے، اس کے متعلق مجھے کہنے کی حاجت نہیں ہے ـــــ یہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۔ یہ قرآن اکیڈمی.

پھر پاکستان ہی نہیں دوسرے ممالک میں دعوت رجوع الی القرآن کا یہ چرچا اور لوگوں کا قرآن کی طرف یہ التفات - یہ سب کچھ آپ کے سامنے ہے۔ میں چاہوں گا کہ مرکزی انجمن خدام القرآن کی قرارداد تاسیس کا خلاصہ آپ کو ضرور سنا دوں ___ اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ابتداء ہی سے کیا کام میرے پیشِ نظر رہا ہے۔

مرکزی انجمن خدام القرآن کے قیام کا مقصد!

منبع ایمان ___ اور ___ سرچشمۂ یقین ___ قرآن حکیم
کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر تشہیر و اشاعت ہے
تاکہ امتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدید ایمان کی ایک عمومی
تحریک برپا ہو اور اس طرح ___ اسلام کی نشأۃ ثانیہ ___ اور ___ غلبۂ
دینِ حق کے دورِ ثانی کی راہ ہموار ہو سکے ___ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ
عِنْدِ اللّٰہِ !!

میری آج کی تقریر کو پیشِ نظر رکھئے اور اس قرارداد کے ایک ایک لفظ پر غور کیجئے۔ آپ کو میری یہ تقریر اسی قرارداد کی تشریح و تصریح نظر آئے گی۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ اس قرارداد کے ایک ایک لفظ میں آپ کو میری تقریر کا خلاصہ نظر آئے گا۔ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ یہ دس بارہ برس قبل کی عبارت ہے۔ ان سالوں میں جو کام ہوا ہے اس میں میرے کسی ذاتی کمال کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اس سارے کام میں اللہ کی توفیق، قرآن کا اعجاز اور میرے جو اعوان و انصار، رفقاء و معاونین اور احباب ہیں، ان کا تعاون شامل ہے اور ظاہر بات ہے کہ ان حضرات کا یہ تعاون بھی عطیۂ الٰہی ہے۔ کوئی ہمدرد، رفیق اور معاون ملتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے کرم و فضل سے ہی ملتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ 'تمام انسانوں کے دل اللہ کی انگلیوں کے مابین ہیں' وہ جدھر چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے۔ ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ اَللّٰھُمَّ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا اِلَی الْاِسْلَامِ وَ اِلَی الطَّاعَۃِ وَ اِلَی الْاِیْمَانِ وَ اِلَی الْقُرْاٰنِ (اے ہمارے مالک! ہمارے دلوں کو پھیر دے

اسلام کی طرف، اطاعت کی طرف، ایمان کی طرف اور قرآن کی طرف —— جو منبع ایمان اور سرچشمۂ یقین ہے۔

انجمن کے پیش نظر ہے قرآن اکیڈمی، کا صحیح طور پر اپنے مقصد کے حصول کی طرف پیش قدمی کرنا —— یعنی چند جدید تعلیم یافتہ فہیم عناصر کو قرآن کے علم و حکمت سے اعلیٰ علمی سطح پر اس طرح مسلح کرنا کہ وہ جاہلیت جدیدہ کے ملحدانہ نظریات کا قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں اعلیٰ علمی و فکری سطح پر ابطال اور توحید کا احقاق کر سکیں۔ اور علم کو حقیقی معنوں میں مسلمان بنا کر ایسا نصاب تعلیم مرتب کرنے کے کام کا آغاز کر سکے جو اذہان کو مسخر کر کے قلوب میں نفوذ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ یہی وہ کام ہے جس کی ضرورت کا احساس اپنے آخر زمانے میں علامہ اقبال کو ہوا۔ جس کے نتیجے میں پٹھان کوٹ میں "دارالسلام" قائم ہوا تھا —— اسی ضرورت کے تحت الہلال و البلاغ والے مولانا ابوالکلام نے آج سے ساٹھ سال قبل "دارالارشاد" قائم کیا تھا۔ ان دونوں اداروں کے قیام میں یہی مقصد پیش نظر تھا کہ اعلیٰ تعلیمیافتہ فہیم عناصر کو اعلیٰ علمی و فکری سطح پر قرآن مجید پڑھایا جائے۔ میں نے ان دونوں نقشوں کا ذکر" اپنے کتابچے "اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام" میں کر دیا ہے۔ یہ دونوں کام صرف ابتدائی نقشوں تک محدود رہے آگے نہ بڑھ سکے۔ وہی خواب ہے جو تیسری مرتبہ میں نے ۱۹۶۷ء میں اپنے فکر و شعور کی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اس کو اپنے کتابچے "اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام" میں تفصیل سے بیان کر دیا تھا۔ یہ کتابچہ ہی دراصل انجمن کے قیام اور اس کی سرگرمیوں کا نقطہ آغاز بنا۔ اور اب تک جو کچھ بھی کام ہوا ہے وہ "قرآن اکیڈمی" کے صحیح نہج پر پیش رفت۔ کے نقطۂ نظر سے ہوا ہے تاکہ اس اکیڈمی کے ذریعے اعلیٰ جدید تعلیم یافتہ چند فہیم نوجوانوں کو وہاں رکھ کر انہیں اعلیٰ علمی و فکری سطح پر علوم قرآنیہ و دینیہ سے روشناس کرایا جائے تاکہ "علم" کو مسلمان بنانے کے راستے کا دروازہ کھلے اور یہ نوجوان تمام علوم جدیدہ میں قرآن حکیم کی تعلیمات کو داخل کرنے اور سمونے کی صلاحیت اور استعداد اپنے اندر پیدا کر کے اس کوشش کا آغاز کر سکیں۔ جب تک وہ 'علم' جو ملحد ہے، جو کافر ہے، اس 'علم' کو مسلمان نہ بنایا جائے اس وقت تک ہم یہ کہنے کے قابل نہیں، ہو سکتے کہ یہ وہ

نصاب تعلیم ہے جس کے ذریعہ سے لوگوں کے اذہان و قلوب میں قرآن حکیم اتارا جاسکتا ہے۔ اس کے بغیر اگر ہم نصاب کو بدلنے کا مطالبہ کریں تو ہوگا کیا۔ وہ نصاب تو موجود ہی نہیں ہے، جس میں قرآن اور دین رچا بسا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ ان مطالبات سے وقتی طور پر کچھ سطحی نوعیت کی تبدیلیاں ہو جائیں۔ جیسی کہ گاہے گاہے کچھ ہوتی بھی رہی ہیں لیکن بحیثیت مجموعی "مسلمان علم"، ہمارے پاس موجود ہی نہیں ہے۔ اسے وجود میں لانے کی ہمیں بھرپور کوشش کرنی چاہیئے ـــــ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ چند اعلیٰ تعلیمیافتہ نوجوان مل گئے ہیں جنہوں نے اپنی زندگیوں کو اسی کام کے لئے وقف کرنے کے عزم کے ساتھ قرآن اکیڈمی میں طالب علمانہ حیثیت سے شمولیت اختیار کی ہے۔ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا مزید فضل و کرم یہ ہوا کہ قرآن اکیڈمی کی اس رفاقت اسکیم میں میرے دو بچے بھی شامل ہیں۔ جن میں سے ایک نے ایم بی ایس اور دوسرے نے فلسفہ میں ایم اے کیا ہے۔

ہمیں قرآن اکیڈمی کے اس منصوبے کو آگے بڑھانے کے لئے تعاون اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کا درکار ہے جو اپنے خوش نما کیریر کو اللہ کے دین اور اس کی کتاب مبین کی خدمت کے لئے تج کر خود کو قرآن اکیڈمی کی رفاقت اسکیم کے لئے پورے عزم صمیم کے ساتھ پیش کریں۔ وہی میرے اصل معاون اور حقیقی محسن ہوں گے ـــ پیسے کی مجھے اتنی ضرورت نہیں ہے، میرا ان سترہ سالوں کا تجربہ یہ ہے کہ آج تک کوئی کام پیسے کی کمی کی وجہ سے نہیں رکا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ان شاء اللہ کبھی نہیں رکے گا۔ ہمارے معاشرے میں ایسے صاحب خیر بحمد اللہ موجود ہیں جو اس کام میں مالی تعاون کے لئے پیش قدمی کرتے رہے ہیں اور ان شاء اللہ آئندہ بھی کریں گے۔ اصل میں تو آدمی نہیں ہیں ـــ الناس آرزدست ۔ ان نوجوانوں کی اصل ضرورت ہے، جنہوں نے اعلیٰ تعلیم یعنی فلسفہ، نفسیات، پولیٹیکل ہسٹری، پولیٹیکل سائنس، علوم معاشیات و اقتصادیات اور عمرانیات و اخلاقیات نیز فزکس جیسے علوم میں ایم اے یا پی ایچ ڈی کیا ہو۔ اور ان کے سامنے جو کیریر ہے اس کو ترک کریں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد و فرمان کے مطابق کہ خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ " تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن کا علم سیکھیں اور سکھائیں۔ قرآن پڑھیں اور پڑھائیں اور اسی کام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ حضورؐ

کی اس بشارت کو اپنا MOTTO بنائیں ۔ یہ متفق علیہ روایت ہے اور اس کے راوی کون ہیں! خلیفۂ برحق، شہید مظلوم حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو قرآن حکیم سے والہانہ لگن تھی ۔ صحابہؓ کرام میں جو چوٹی کے قرّاء تھے عثمان غنیؓ ان میں شامل تھے اور جو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے شہید ہوئے ہیں جن کا خون گرا ہے تو آیت قرآنی فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ پر گرا ہے۔

سابقہ جمعہ اور آج کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اصلاح معاشرہ کے لئے اصل ضرورت حقیقی ایمان کی ہے جس کی مثبت اساسات محبت الٰہی، محبت رسولؐ اور اللہ کی راہ میں جہاد کی محبت کے جذبات ہیں اور منفی اساس خوف کا جذبہ ہے جس میں اصل اہمیت آخرت کے خوف کو دلوں میں بٹھانا ہے ۔ ایمان کا منبع اور سرچشمہ قرآن مجید ہے اس کو اوڑھنا اور بچھونا بنانا ہو گا اور اس کی تعلیمات کے لئے پریس، ریڈیو، ٹیلی ویژن کے ذرائع ابلاغ کو ایک بامقصد منصوبہ بندی کے تحت استعمال کرنا ہو گا ۔ ان کو ان تمام لغویات سے پاک کرنا ہو گا جو لوگوں کو غیر شعوری طور پر نامسلمان اور لذت کوش و تعیش پسند بنانے کا سبب بن رہی ہیں۔ پھر علم کو خالصتاً مسلمان بنانا ہو گا ۔ تمام علوم کو از سر نو اس طرح مدوّن کرنا ہو گا کہ اس میں قرآن حکیم کا علم الحقائق تانے بانے کی طرح گتھا ہوا ہو ۔

اس سلسلے کی تقریر کا تیسرا اور آخری حصّہ " اصلاح معاشرہ کا انقلابی تصوّر " کے عنوان سے میں ان شاء اللہ آج جناح ہال میں مرکزی انجمن کی دس سالہ تقریبات کے افتتاحی اجلاس میں پیش کروں گا [1] نظام درست نہیں ہوگا تو معاشرہ درست نہیں ہوگا ۔ نظام ظالمانہ، جابرانہ اور استحصالی ہوگا تو اس کے نتیجے میں نفرت و کدورت اور انتقام کے جذبات پیدا ہوں گے، مثبت احساسات و جذبات پیدا نہیں ہو سکتے ۔ اگر اس نظام کو بدلنے کے لئے صحیح نہج پر اسلامی انقلاب کی یہاں کوششیں نہ کی گئیں تو اصلاح معاشرہ کے لئے اوپر کی لیپا پوتی سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو گا ۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ۔

---

[1] ان شاء اللہ العزیز یہ تقریر بھی کیسٹ سے منتقل کر کے 'میثاق' میں آئندہ پیش کی جائیگی ۔

فلسفہ وفضیلت صوم

مولانا الطاف الرحمٰن صاحب بنوی
معلم قرآن اکیڈمی

روزہ ہماری ہستی کے ہر مرحلے کا ساتھی ہے

ہم اپنی مادی زندگی میں جتنے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں یہ سب اپنی گوناگونی اور شدید اختلافِ کیفیات کے باوجود تین عنوانات میں منقسم ہیں، چنانچہ ایک قسم ان گناہوں کی ہے جو قول سے تعلق رکھتی ہے اور جن کا مصدر انسان کی زبان ہے، جھوٹ، غیبت، تہمت، چغلخوری اور فحش گوئی کی تمام صورتیں اسی فہرست میں داخل ہیں، دوسری قسم میں وہ تمام گناہ شمار کئے جاسکتے ہیں جن کا تعلق کھانے پینے اور خورد و نوش سے ہے اور جن کا منشا و مولد پیٹ ہے، اکلِ سحت اور حرام خوری کی تمام شکلیں اسی کلی کی جزئیات ہیں، تیسری قسم ان گناہوں کی ہے جو جنسی تقاضوں کی پیداوار ہیں اور جن کا سرچشمہ شرمگاہ ہے عریانی اور ناجائز شہوت رانی کے تمام مظاہر اسی قبیل سے ہیں۔

ان متنوع گناہوں اور ان کے مصادر کا تجزیہ کرنے سے یہ بات خودبخود سامنے آجاتی ہے کہ گناہوں کے اصل مصادر پیٹ اور شرمگاہ ہیں کہ یہیں پر دلاً گناہوں کے تقاضے پیدا ہوتے ہیں اور پھر یہیں سے ابھر ابھر کر اپنی تکمیل تھوڑی سی تسکین کے لئے زبان کو استعمال کرتے ہیں چنانچہ پیٹ اور شرمگاہ ہی فی الواقعہ وہ نفس "امّارۃ بالسّوء" یا اُس کے مظاہر ہیں جس کی شدید ترین عداوت کی نبی علیہ السّلام نے یوں خبر فرمادی ہے۔

ان اعدی عدو لک	کہ تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا
نفسك التی بین جنبیك	وہ نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں کے درمیان ہے۔

اور اس کا مقابلہ کرنے کی یوں تلقین فرمائی۔

عادِ نفسك فانها انتصبت بمعاداتی	اپنے نفس کی دشمنی کرو کیونکہ وہ میری عداوت پر پیدا کیا گیا ہے

پیٹ اور شرمگاہ ہی کی آفات ہیں جو انسان کو رسوا اور ذلیل کرتی ہیں اور اگر ان سے بچا جائے تو انسان کا حسن و جمال رشک ملائکہ بن جائے نبی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔

ما زان الله العباد بزینة افضل من زهادة فی الدنیا وعفاف فی بطنه وفرجه	اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دُنیا کی بے رغبتی اور پیٹ اور شرمگاہ کی عفت سے بڑھکر کسی چیز سے بھی آراستہ نہیں کیا۔

تاہم اکثر وبیشتر احادیث میں لسان اور شرمگاہ کے مفاسد اور اس کے ازالے کی طرف بہت اہتمام اور شد و مد سے متوجہ کیا گیا ہے۔ مثلاً آپؐ فرماتے ہیں۔

اتدرون ما اکثر ما یدخل الناس النار الاجوفان الفم والفرج۔ (مشکواۃ باب حفظ اللسان والغیبة والشتم)	کیا تم جانتے ہو لوگوں کو بہت زیادہ آگ میں داخل کرنیوالی چیزیں کیا ہیں؟ دو کھلا ہیں' یعنی منہ اور شرمگاہ

یا ایک حدیث میں وارد ہے۔

من یضمن لی ما بین لحییه	جو کوئی ضمانت دے مجھے اپنی دو جبڑوں

وما بین رجلیہ اضمن لہ الجنۃ - (حوالہ سابق)	کے بیچ والی چیز (زبان) اور اپنی دو ٹانگوں کے بیچ والی چیز (شرمگاہ) پر قابو پانے کی میں اسکو ضمانت دوں جنت کی -

جس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ قولی گناہوں کے ارتکاب کے لئے چنداں محنت اور وقت کی ضرورت نہیں ہوتی نیز اس کے لئے ماحول کی کچھ زیادہ سازگاری کا انتظار بھی نہیں کرنا پڑتا ہے لہذا اس قسم کے گناہوں کا وقوع بہت کثرت سے ہوتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے جو نبی علیہ السلام نے فرمایا -

وھل یکبّ النّاس فی النار علی وجوھھم الا حصائد السنتھم (ترمذی)	یعنی زبانوں کی کٹائی ہی لوگوں کو آگ میں اوندھے منہ گرانے والی ہے -

اور جنسی اضطراب کا ریلا تو اس قدر زوردار ہوتا ہے کہ چشم زدن میں عقل و شعور اور حیاء و اخلاق کی اچھی خاصی رکاوٹوں کو بھی تنکوں کی طرح بہالے جاتا ہے انہیں خصوصیات کی وجہ سے گناہوں کے ان دو مصادر کا بالاہتمام ذکر کیا گیا، نہیں تو پیٹ کے گناہ بھی ان دو قسم کے گناہوں سے کسی طرح بھی کم نہیں بیہقیؒ کی ایک روایت میں ان سب کو اس طرح سے یکجا کیا گیا ہے -

من وقی شر لقلقہ وقبقبہ وذبذبہ فقد وجبت لہ الجنۃ	جو زبان، پیٹ اور شرمگاہ کے شرور سے بچا اس کے لئے جنت واجب ہے -

روزہ کا اوّلین حملہ پیٹ اور شرمگاہ پہ ہوتا ہے، یہیں سے نفس امّارہ کو غذا اور قوت بہم پہنچتی ہے لہٰذا روزہ کا یہ وار نفس کے ہاتھ پیر باندھ دیتا ہے اور اس طرح سے اس کی مبارزت کا زور توڑ دیتا ہے - نبی علیہ السّلام کا ارشاد گرامی ہے کہ شیطان آدمی کے بدن میں خون کی طرح چلتا ہے اس کے راستوں

کو بھوک سے بند کرو، تمام اعضاء کا سیر ہونا نفس کے بھوکا رہنے پر موقوف ہے جب نفس بھوکا رہتا ہے تو عام اعضاء سیر رہتے ہیں اور جب نفس سیر ہوتا ہے تو تمام اعضاء بھوکے رہتے ہیں -

روزہ پیٹ اور شرمگاہ کی طغیانیوں کو روک کر قولی گناہوں کا راستہ بھی بند کر دیتا ہے کہ زبان تو گناہوں کا محرک نہیں بلکہ آلۂ کار ہے تاہم لسانی معاصی پر روزہ کی اس بالواسطہ ضرب پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ حقیقی روزہ میں جس طرح سے پیٹ اور شرمگاہ پر براہِ راست پہرے بٹھائے گئے ٹھیک اس طرح سے زبان کو بھی مقید کیا گیا ہے نبی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے -

من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس لله حاجة فی ان یدع طعامه و شرابه۔ (مشکوۃ باب تنزیہہ الصوم)	جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑا تو اللہ تعالےٰ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے سے کوئی غرض نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ حقیقی روزہ ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کا بہت کارگر ذریعہ ہے اسی بات کو قرآن حکیم نے فلسفۂ حکمتِ روزہ کے سلسلے میں یوں بیان فرمایا -

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ٥ (سورۃ بقرہ آیت ۱۸۳)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو، لکھا گیا اوپر تمہارے روزہ جیسا لکھا گیا تھا اوپر ان لوگوں کے جو پہلے تم سے تھے تاکہ تم پرہیزگاری کرو۔

گویا کہ قرآن حکیم کی نگاہ میں روزہ کی اصل غرض و غایت تقویٰ کا حصول ہے جو ترکِ معاصی ہی کا نام ہے یہیں سے انسان کی دنیاوی منزل میں دو

کی رفاقت کا آغاز ہوتا ہے کیونکہ اوّلاً تو تقویٰ اور ترکِ معاصی سے خود ایک ایسا ناقابلِ بیان رُوحانی سرور حاصل ہوتا ہے جو مادی ساز و سامان سے ہرگز حاصل نہیں ہوتا اور ثانیاً حدیث نبوی

للصائم فرحتان فرحة	روزہ دار کے لئے دو خوشیاں
عند فطرہٖ وفرحة	ہیں ایک افطار کے وقت
عند لقاءِ ربّہٖ	اور دوسری رب تعالےٰ کی
	مُلاقات کے وقت

کے بموجب افطار اور اس سے بدرجہا زیادہ لقائے الٰہی کے تصور سے یہ خوشی اور مُسرّت اضعافاً مُّضٰعَفَۃ ہو جاتی ہے۔

گویا یہ بات مادہ پرستی کے اس دور میں کتنی ہی عجیب کیوں نہ لگے کہ بھوک پیاس اور دوسرے نفسانی تقاضوں کے دبانے میں ان تقاضوں کی بھرپور تکمیل سے بڑھ کر لطف ولذّت ہے تاہم یہ ایک امرِ واقعہ ہے اور مؤمنین صالحین کی زندگی کے شبانہ روز مشاغل اس کی پُرزور تائید کرتے ہیں حضرت علیؓ نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ مجھے تین چیزیں پسند ہیں جن میں سے گرمی کا روزہ بھی ذکر فرمایا۔ حضرت معاذؓ کے آخری وقت کے کلمات میں یہ بھی منقول ہے کہ یا اللہ تجھے معلوم ہے کہ مجھے زندگی کی محبت تھی مگر نہریں کھودنے اور باغ لگانے کے واسطے نہیں تھی بلکہ گرمیوں کی شدّتِ پیاس برداشت کرنے اور دین کی خاطر مشقتیں جھیلنے اور ذکر کے حلقوں میں علماء کے پاس جم کر بیٹھنے کے واسطے تھی۔

روزہ "تخلّقوا باخلاق اللّٰہ" کے سلسلے میں بہت ممد و معاون ہے کہ جس طرح باری تعالےٰ تمام ضروریات و احتیاجات سے بلند و بالا اور پاک و منزّہ ہیں مومن بھی ممکنہ حد تک اسی کا مظاہرہ کرتا ہے اور اس صوری مشابہت کے ناطے سے تقرّب کے درجات طے کرتا ہے۔ رُوحانی ترقیات کیلئے

غیر ضروری مادی ارتباطات کا انقطاع مسلمہ ضرورت ہے روزہ اسی عمل کا نقطۂ آغاز ہے جو ہوا؛ وہوس کا قلع قمع کرکے مثبت اعمال کا موقعہ فراہم کرتا ہے اور پھر اسی کی وساطت سے درجہ بدرجہ توجہ، تعلق اور توسّل کے مقامات تک پہنچاتا ہے جہاں انسان بے قراری اور بے چینی کے تمام اسباب کے ہوتے ہوئے بھی انتہائی سکون واطمینان محسوس کرتا ہے نبی علیہ السلام کا ارشاد گرامی،،

ان لکل شیئ باباً و باب العبادۃ الصیام	"کہ ہر چیز کا ایک دروازہ ہوتا ہے اور عبادت کا دروازہ روزہ ہے

اس پوری حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے۔

روزہ دنیاوی زندگی کے بعد قبر اور حشر میں بھی مؤمن کا ساتھ نہیں چھوڑتا

ایک حدیث میں وارد ہے۔

الصیام والقرآن یشفعان للعبد یقول الصیام ای رب انی منعتہ الطعام والشہوات بالنہار فشفعنی فیہ ویقول القرآن منعتہ النوم باللیل فشفعنی فیہ فیشفعان۔ (مشکوٰۃ کتاب الصوم)	روزہ اور قرآن بندہ کے حق میں شفاعت کرتے ہیں روزہ کہتا ہے کہ اے رب میں نے اس کو دن میں کھانے اور دوسری خواہشات سے باز رکھا چنانچہ اس کے حق میں میری شفاعت قبول کیجیئے اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو رات میں سونے سے باز رکھا پس میری شفاعت اسکے حق میں قبول کیجیئے۔ چنانچہ دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

ایک دوسری حدیث میں قیامت کے دن روزہ داروں کا یہ امتیاز ذکر کیا گیا ہے کہ وہ جنت کے ایک مخصوص دروازے ریّان سے داخل ہونگے۔

ان فی الجنۃ باباً یقال لہ — جنّت میں ایک دروازہ ہے
الریّان یدخل منہ — جس کا نام ریّان ہے اس میں
الصائمون یوم — سے روزہ دار ہی داخل ہونگے
القیمۃ لا یدخل منہ — قیامت کے دن ان کے سوا
احد غیرھم — اس کے ذریعے سے کوئی دوسرا
(متفق علیہ) — داخل نہ ہوگا۔

حقیقی روزہ کے ان تمام مصالح کا تصوّر کر کے جب نبی علیہ السلام کے اس ارشادِ گرامی:

"الصّومُ جُنّۃٌ" - روزہ ڈھال ہے۔

پر غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ واقعتًا روزہ گناہوں اور اسکے نتیجے میں دنیوی اور اخروی مصائب و مشکلات سے بچانے کا کیا ہی کارگر ذریعہ ہے - اللہ تعالٰی ہم سب کو تمام حقوق و آداب کے ساتھ حقیقی روزہ رکھنے کی توفیق سے نوازے -

آمین یا رب العالمین

اِسلام کی نشأۃِ ثانیہ
کرنے کا اصل کام، قیمت ایک روپیہ
تالیف: ڈاکٹر اسرار احمد
شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور۔

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید: ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲۔ ایمپریس روڈ ۔ لاہور

مولانا سیّد وصی مظہر ندوی کا ایک انٹرویو

مولانا موصوف مدرسہ اسلامیہ عربیہ حیدر آباد کے مہتمم اعلیٰ نیز فی الوقت بلدیہ حیدر آباد کے میئر ہیں۔ مولانا موصوف کافی عرصہ تک (کالعدم) جماعتِ اسلامی کی صفِ اوّل کے اکابر میں شامل رہے ہیں۔ موصوف نے روزنامہ نوائے وقت کراچی کو ایک انٹرویو دیا تھا جو پیشِ خدمت ہے۔ مولانا موصوف "تنظیم اسلامی" کے حلقہ مستشارین میں بھی شامل ہیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال: کالعدم جماعتِ اسلامی سے آپ کے اختلافات کا پس منظر کیا ہے؟

جواب: جماعتِ اسلامی سے میرا اختلاف بالکل اسی نوعیت کا ہے جس نوعیت کا اختلاف اشتراکی نظام قائم کرنے کے علم برداروں کے درمیان طریقہ کار میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کا ایک گروہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اشتراکی نظام صرف انقلابی طریقے سے برپا ہو سکتا ہے جبکہ ایک گروہ اس رائے کا حامل ہے کہ اشتراکی نظام جمہوری طریقوں سے بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔ میں اسلامی نظام کے بارے میں انقلابی طریقے پر یقین رکھتا ہوں۔ خود جماعتِ اسلامی کی ساخت اور اٹھان اسی طریقہ کار پر مبنی تھی لیکن ایک وقتی تجربے کے طور پر جو انتخابی طریقہ کار اختیار کیا گیا تھا، افسوس ہے کہ وہ بعد میں جماعت کے اکثر

رہنماؤں اور کارکنوں کی بے بصیرتی کے سبب مستقل اسلوب کار بن گیا۔

سوال : جب انتخابات کی بنیاد پر آپ کے جماعتِ اسلامی سے اختلافات تھے تو ۱۹۷۰ء میں جماعت کے ٹکٹ پر آپ نے قومی اسمبلی کا الیکشن کیوں لڑا تھا؟۔

جواب : میرے جماعت سے اختلافات ۱۹۷۰ء سے بہت پہلے کے ہیں لیکن میں اس موقف کا قائل تھا اور ہوں کہ جب تک ایک ادارے میں رہ کر اس کی اصلاح کے مواقع ہوں یا کم از کم اختلافی آواز اٹھانے کی گنجائش موجود ہو اس وقت تک اس ادارے سے علیحدگی اختیار نہیں کرنی چاہیے بالفاظ دیگر ع پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ، لیکن بدقسمتی کی بات یہ ہوئی کہ صوبائی امیر اور صوبائی جنرل سیکرٹری نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بعد جماعتِ اسلامی کے اندر میرے وجود کو اپنے لیے خطرہ محسوس کیا اور مختلف سازشوں کے ذریعے سے اولاً مجھے جماعت سے مستعفی ہونے پر مجبور کیا لیکن اس میں ناکامی کے بعد میرے اخراج ہی کا فیصلہ کر لیا گیا۔ اس فیصلے کو میں نے بخوشی اس لیے قبول کر لیا کہ اب اس تحریک سے علیحدہ ہونے کی ذمہ داری مجھ پر نہیں بلکہ ان لوگوں پر جا کر ٹھہرتی ہے جنہوں نے بتیس سالہ تعلق کو اسی طرح ختم کر دیا۔

سوال : آپ نے اس فیصلہ کے خلاف اپیل کی تھی؟۔

جواب : میں نے اپیل کی تھی لیکن صدائے بر نخاست۔

سوال : کیا جماعتِ اسلامی میں بھی دوسری جماعتوں کی طرح اقتدار کی رسہ کشی جاری رہتی ہے؟۔

جواب : جب منزلِ مقصود اور راہِ عمل میں تبدیلی ہو گئی تو دنیا پرستانہ جماعتوں کی تمام "خوبیاں" جماعت میں پیدا ہونا فطری سی بات ہے۔

سوال : کیا مولانا مودودی مرحوم آپ کے نکتۂ نظر کے ہمنوا تھے؟۔

جواب : مولانا مودودی بھی بالآخر اسی نتیجے پر پہنچ چکے تھے۔ دسمبر ۱۹۷۵ء کی جماعت کی شوریٰ میں شدید علالت کے باوجود بیس منٹ جو مختصر تقریر

انہوں نے کی تھی اس میں انہوں نے صاف صاف کہا تھا کہ میں نے بالغ رائے دہی کی وکالت کی ہے لیکن میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ میری غلطی تھی۔ اور یہ امّت کی قسمت کو جاہلوں کے حوالے کر دینا ہے۔ اس تقریر میں انہوں نے یہ بات بھی کہی تھی کہ اس ملک میں آج تک کوئی شخص بھی انتخابی طریقے سے برسرِ اقتدار نہیں آیا بلکہ جو شخص نمبر ۲ پر کھڑا تھا اسی نے جگہ سنبھالی۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں اس بات کی زیادہ وضاحت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ نمبر ۲ پر کھڑے ہونے سے میری مراد کیا ہے۔ مولانا مودودی کی یہ تقریر شوریٰ کی کارروائی میں مکمل طور پر درج ہے۔

سوال : کیا جماعتِ اسلامی کی موجودہ قیادت سے مولانا مودودی مرحوم کے اختلافات تھے؟—

جواب : میرے پاس شواہد موجود ہیں کہ مولانا مرحوم اپنی زندگی کے آخری دنوں میں جماعت کی موجودہ قیادت سے قطعاً مایوس ہو چکے تھے۔ ایک بار تو نوبت یہاں تک آئی کہ مولانا مودودی کو ان قائدین کے خلاف اخبارات میں بیان جاری کرنا پڑا۔ جس میں انہوں نے میاں طفیل محمد اور پروفیسر غفور احمد کی مذمت کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ لوگ جماعتِ اسلامی کو چلانے کے لیے اس کے لیڈر بنائے گئے ہیں جماعت ختم کرنے کے لیے نہیں۔
(جماعت کے رہنماؤں نے لاہور کے اخبارات میں اس بیان کو KILL کرانے کی بیحد کوشش کی لیکن وہ بعض اخبارات میں شائع ہو ہی گیا)

سوال : کیا جماعتِ اسلامی کی موجودہ قیادت اس انحراف کو محسوس نہیں کرتی؟"

جواب : میرا خیال یہ ہے کہ جماعتِ اسلامی کی موجودہ قیادت میں سے کچھ لوگ تو اپنی بزرگی کی وجہ سے محض برکت اور پردہ پوشی کے لیے آگے نظر آرہے ہیں جب کہ وہ لوگ جن کے ہاتھ میں اصل قیادت ہے یہ بات اچھی طرح جان چکے ہیں کہ جس مقصد کے لیے جماعت بنائی گئی تھی اور جس طریقہ کار پر کاربند رہنے کا عزم لے کر چلی تھی وہ دونوں چیزیں اب قصّہ پارینہ بن چکی ہیں اور جماعت اسلامی اپنے موجودہ حالات اور

ساخت کے لحاظ سے ان کی طرف واپس بھی نہیں جا سکتی لیکن یہ حضرات جانتے ہیں کہ مولانا مودودی کی انقلاب آفرین تحریروں کے باعث ملک کے اندر اور ملک کے باہر اس جماعت کو ایک بڑے وسیع حلقے کا اعتماد حاصل ہے۔ چونکہ یہ وسیع حلقہ ابھی تک اس تبدیلی کی حقیقت کو نہیں پا سکا ہے۔ لہٰذا جماعت کی اس قیادت کے سامنے اس کے سوا کوئی اور مقصد نہیں کہ دیوالیہ ہونے کے مکمل اعلان سے قبل بازار کی ساکھ سے جتنا فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے اُٹھا لیا جائے۔

سوال : آپ کی میاں طفیل محمد امیرِ جماعتِ اسلامی سے ملاقاتیں ہوئی ہیں اور حیدر آباد میں انہوں نے خود دفتر جماعت میں میرے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ مولانا وصی مظہر ندوی مدتوں ہمارے ساتھ رہے ہیں وہ اب بھی ہمارے ساتھ آسکتے ہیں۔ کیا اس امر کے امکانات ہیں کہ آپ دوبارہ جماعت میں شامل ہو جائیں؟

جواب : میاں طفیل محمد کا یہ جملہ میری اس بات کی شہادت ہے کہ ماشاء اللہ یہ حضرات دنیا پرست جماعتوں کی بولی بولنے میں خاصے مشاق ہو گئے ہیں۔

سوال : ڈاکٹر اسرار احمد سے آپ کے روابط مستقبل میں سیاسی تعلقات کا رُخ اختیار کر سکتے ہیں؟

جواب : ڈاکٹر اسرار احمد مجھ سے بہت پہلے جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہوئے تھے۔ اصولاً تو ان کا موقف میرے موقف جیسا ہے۔ تفصیلات میں البتہ فرق پایا جاتا ہے۔

سوال : ایران کے انقلاب کے بارے میں آپ کا نقطہ نظر کیا ہے؟

جواب : ایران میں بہرحال ایک انقلاب آیا ہے۔ خواہ آپ اسے اسلامی کہیں یا نہ کہیں ظاہر ہے کہ یہ انقلاب جمہوری طریقے پر نہیں لایا جا سکتا تھا۔

سوال : کیا پاکستان میں بھی ایرانی طرز کا انقلاب اسلامی نظام کے قیام کے لیے ضروری ہے؟

جواب : ایران یا کسی اور ملک کے انقلاب کی بحث سے قطع نظر انقلاب نام ہے اس عظیم تبدیلی کا جس میں ایک معاشرے کی تسلیم شدہ بنیادوں کو

منہدم کرکے اس کو نئی بنیادوں پر تعمیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ بات ناممکن ہے کہ کوئی معاشرہ خود اپنی بنیادوں کے خلاف ووٹ دے۔ لہٰذا ووٹ کے ذریعہ انقلاب لانے کی خواہش مولانا مودودی صاحب کے ارشاد کے مطابق موٹر کار کے ذریعہ ٹمبکٹو پہنچنے کی تمنا کے سوا کچھ نہیں۔ اس قسم کی تبدیلی تو وہ باشعور اور منظم اقلیت برپا کرتی ہے جو ایک کرم خوردہ سماج کو ڈھا کر نئے اصولوں پر سماج کی تعمیرِ نو کرنے کے لیے عزم اور حوصلہ رکھتی ہو اور جو قربانی کے جذبے سے سرشار ہو کر سرگرمِ عمل ہو جاتی ہو۔ جیسا کہ قرآن شریف کا ارشاد ہے کہ "کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑے بڑے گروہوں پر اللہ کے حکم سے غالب آگئیں۔" "اور اللہ تو ثابت قدم رہنے والوں ہی کے ساتھ ہے۔"

سوال : کیا اس آیت کی روشنی میں ایرانی انقلاب کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے؟

جواب : ایرانی انقلاب کو میں نے قریب سے نہیں دیکھا۔ جن لوگوں نے اس انقلاب کو دیکھا وہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے سماج میں زبردست تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ مثلاً یہ کہ اس انقلاب سے قبل اس معاشرے میں سب سے کم قیمت شے عورت تھی لیکن آج وہ محترم اور عصمت و عفت کی فصیل میں محفوظ نظر آتی ہے۔ اسی طرح شراب خوری اور رشوت ستانی جیسے ناقابلِ علاج امراض کا مداوا ہو چکا ہے۔ لیکن میری ناقص رائے میں ایرانی انقلاب وہ ہمہ جہتی انقلاب نہیں ہے جو انبیاء کرام کے طریقہ پر چلنے سے برپا ہو سکتا ہے۔

سوال : شوریٰ کا اسلامی تصور آپ کے نزدیک کیا ہے؟

جواب : شوریٰ کا اسلامی تصور سمجھنے سے قبل یہ حقیقت پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ اسلام درحقیقت ایک انقلابی تحریک ہے اس لیے یہ تحریک خواہ انقلاب لانے کے مرحلے میں ہو یا اپنے نظریے کے مطابق ریاست چلانے کے مرحلے میں۔ دونوں صورتوں میں اس کی قیادت اور مشاورت ان ہی لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور ہونی چاہیئے۔

جو اس انقلابی نظریے پر نہ صرف یہ کہ مکمل یقین رکھتے ہوں بلکہ اس کے لیے جان و مال کی ہر بازی کھیلنے کے لیے تیار رہوں۔ اس سلسلے میں جو شخص جتنا زیادہ ایمان و یقین اور ایثار و قربانی میں پیش پیش ہوگا وہ شخص قیادت کی اتنی ہی زیادہ اگلی صفوں میں بیٹھنے کا حق دار ہوگا۔ اس اصولی وضاحت کے بعد یہ سمجھنا آسان ہے کہ شوریٰ کا کردار اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ قائد کی معاونت اور رہنمائی کرے۔ لہذا امیر اور شوریٰ کے درمیان تعلق نہ باہمی نزاع کا ہوتا ہے اور نہ بے اعتمادی کا بلکہ ان دونوں کے درمیان خیر سگالی اور خیر خواہی کا تعلق ہوتا ہے۔

سوال : شوریٰ کے خصائص کیا ہونے چاہئیں؟

جواب : شوریٰ کو بحیثیت مجموعی اور شوریٰ میں شامل تمام ارکان کو میرے مطالعے کے مطابق ان خصوصیات کے حامل ہونا چاہیئے:

(۱) وہ اسلامی نظامِ زندگی پر مکمل ایمان و یقین رکھتے ہوں۔

(۲) اسلامی سیرت و کردار کا نمونہ ہوں۔

(۳) انہیں ملّت کا مجموعی اعتماد حاصل ہو

(۴) علم و فہم رکھتے ہوں۔ تاہم صفات پر عمومی اعتماد کی صفت کو اولیت حاصل ہے کیونکہ ان صفات کا حامل ہونے یا نہ ہونے کا اس کے سوا کوئی معیار نہیں ہے کہ ملّت کی تربیت یافتہ رائے عامہ ان کے اندر یہ صفات پاتی ہے یا نہیں۔

سوال : موجودہ حکومت کی نامزد کردہ شوریٰ اسلامی تصوّر کے مطابق ہے؟

جواب : موجودہ مجلس شوریٰ موجودہ مارشل لا کی ایک ضرورت ہے اور انتخابات کے انعقاد تک کے لیے ایک عارضی انتظام ہے۔

سوال : کیا موجودہ مجلس شوریٰ میں ارکین کی نامزدگی کے طریقہ کار سے آپ متفق ہیں؟

جواب : ارکین شوریٰ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ملّت کے عمومی اعتماد کے حامل ہوں۔ رہا یہ سوال کہ اس عمومی اعتماد کو معلوم کرنے کے لیے بیرومیٹر کیا ہونا چاہیئے؟ تو اس کے جواب میں میں کہوں گا کہ وہ

صرف بیلٹ بکس ہی نہیں ہے۔ بلاشبہ دورِ جدید میں اس کے لیے بیلٹ بکس ایک اچھا طریقہ ہے لیکن واحد طریقہ نہیں لہٰذا مختلف پہلوؤں سے رپورٹیں طلب کر کے بے لاگ نامزدگی کا طریقہ کار بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔

سوال : شوریٰ اور پارلیمان میں بنیادی فرق کیا ہے ؟

جواب : شوریٰ اور پارلیمان میں پہلا فرق یہ ہے کہ پارلیمان اپنے سربراہ کے ساتھ مل کر اقتدارِ اعلیٰ کی حامل ہوتی ہے اور اس کو ہر قسم کی قانون سازی کا اختیار حاصل ہوتا ہے لیکن شوریٰ کتاب و سنّت کی حدود کے اندر صرف اجتہاد کر سکتی ہے۔ آزادانہ قانون سازی نہیں۔

دوسرا فرق شوریٰ اور پارلیمان میں یہ ہے کہ شوریٰ کے اندر مستقل نوعیت کا کوئی حزبِ اختلاف یا حزبِ اقتدار نہیں ہوتا۔ پوری شوریٰ امیر کی خیر خواہ ہوتی ہے اور اس کی خیر خواہی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ امیر کے غلط کاموں پر بے لاگ تنقید کرے۔

شوریٰ اور پارلیمان میں تیسرا فرق ہے کہ امیر اور شوریٰ کے درمیان کشمکش کا تعلق نہیں ہوتا بلکہ تعاون و توافق کا تعلق ہوتا ہے جبکہ پارلیمانی نظام میں سربراہِ مملکت اور پارلیمان کے درمیان ہمیشہ کش مکش کا عمل جاری رہتا ہے بلکہ یوں سمجھ لیجئے کہ شوریٰ اور امیر کے درمیان تعلقات کی مطلوب شکل ہم آہنگی اور تعاون ہے جبکہ جدید جمہوری ریاستوں میں پارلیمان اور سربراہ حکومت کے درمیان مطلوب شکل کشمکش اور تصادم ہے۔

سوال : کیا جدید پارلیمانی نظام میں بنیادی تبدیلیاں لا کر اسے ملک کے نظامِ حکومت کے لیے اختیار کیا جا سکتا ہے؟۔

جواب : میرا مختصر جواب یہ ہے کہ نہیں۔

سوال : کیا آپ وضاحت کرنا پسند کریں گے؟

جواب : وجہ یہ ہے کہ ہر نظام کے اندر جو (اعضاء) ORGANS پائے جاتے ہیں وہ اسی نظامِ جسمانی سے مطابقت رکھتے ہیں جس

کے وہ اعضاء ہیں ۔ اور ایک طویل تاریخی عمل کے ذریعے ان کے اندر وہ اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں جو اس نظام کے مزاج سے ہم آہنگ ہوتے ہیں ۔ اس لیے ایک نظامِ جسمانی کے اعضاء کی پیوند کاری دوسرے نظامِ جسمانی میں نہیں ہو سکتی ۔

سوال : لیکن آپ کا استدلال یہ بھی ہے کہ اسلامی انقلاب کے وجود سے ہم آہنگی رکھنے والی اشیاء کو اس کا حصّہ بنایا جا سکتا ہے ؟

جواب : میری اس بات کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ گلاس یا پیالے سے دودھ پی سکتے ہیں لیکن اگر یہی دودھ آپ کے بدن میں انجکیشن کے ذریعے داخل کیا جائے تو شدید بخار ہو جاتا ہے ۔ یعنی اگر کوئی نظام اپنے فطری عملِ انہضام سے کسی چیز کو اپنا لے تو اس میں مضائقہ نہیں لیکن فطری عمل ہضم کے بغیر پیوند کاری ہمیشہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہے ۔

سوال : آپ انتخابات میں انفرادی اور جماعتی و گروہی امیدواری کے مخالف ہیں آپ کے ذہن میں متبادل انتخابی نظام کیا ہے ؟

جواب : اصل میں سوچ کا انداز اگر روایتی ڈھانچے سے نکل کر کام کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو اس قسم کی مشکلات پیش آتی ہیں ۔ دور نہ جائیے کمیونسٹ ممالک کی مثال لیجیے ۔ انہوں نے اپنے نظام کے ہم آہنگ طریقہ انتخاب نہ صرف ایجاد کیا بلکہ وہ کامیابی سے اس نظام پر عمل پیرا ہیں ۔ سرمایہ دارانہ جمہوری حکومتوں میں جو انتخابی طریقہ کار مروج اور مقبول ہے اور جس سے ہٹ کر کوئی دوسرا طریقہ قابلِ عمل نظر نہیں آتا ، اشتراکی ممالک میں اس کا دور دور تک وجود نہیں پایا جاتا ، بالکل اسی طرح اسلامی تعلیمات کے مطابق انفرادی یا اجتماعی امیدواری کو ممنوع قرار دینے کے بعد بہت سے طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں لیکن مقلدانہ نہیں مجتہدانہ ذہن کی ضرورت ہے ۔

سوال : آپ سیاسی جماعتوں کے وجود ہی کے خلاف ہیں ۔ اس کا جواز کیا ہے ؟

جواب : اسلامی نظام کے تعلق سے دو حالتیں فرض کی جا سکتی ہیں (۱) اسلامی نظام

قائم ہو چکا ہو۔ اس صورت میں اس نظام کے نگرانوں کا فرض ہے کہ وہ اس کے اندر کسی تفریقی عمل کو پنپنے نہ دیں (۲) دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد جاری ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں بھی جدوجہد کرنے والی جماعت اپنے اندر کسی گروپ بندی کی اجازت نہیں دے سکتی۔

سوال : اسلامی نظام میں فوج کا دفاع کے علاوہ کوئی مخصوص کردار بھی ہے؟

جواب : دورِ جدید کی ریاستوں میں فوج جس شکل میں پائی جاتی ہے اسلامی نظام کے اندر خاص طور پر اور ماضی میں عام طور پر فوج اس طرح نہیں پائی جاتی تھی۔ اس زمانے میں ہر صحت مند نوجوان سپاہی ہوتا تھا اور ضرورت کے وقت اسے بلایا جا سکتا تھا۔ موجودہ دور میں جب بامعاوضہ فوج کا تصور عام ہو چکا ہے تو اس وقت فوج کا کردار یہی ہے اور یہی ہونا چاہیئے کہ وہ ملک کو بیرونی اور اندرونی خطرات سے محفوظ رکھے۔ مستقلاً حکومت کی ذمہ داری سنبھالنا قطعاً اس کے دائرہ عمل سے باہر ہے۔

سوال : کیا ملک کے نظامِ حکومت میں فوج کا آئینی کردار ہونا چاہیئے؟

جواب : اسلام کا دستور غیر مدوّن شکل میں قرآن وسنّت میں موجود ہے۔ اگر اس کو دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق دستوری دفعات میں ڈھالا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر بگاڑ کو دُور کرنے کی ذمّے داری ہر اس فرد یا ادارے پر عائد ہوتی ہے جو اسے دُور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس لحاظ سے فوج اگر ہنگامی حالات میں بگاڑ اور انتشار کو سدھارنے کی ذمے داری سنبھال لے تو یہ بات اسلامی دستور کے بنیادی تصوّر کے منافی نہیں ہوگی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ تم میں سے جو شخص برائی دیکھے وہ اپنے ہاتھ سے اسے مٹائے، ہاتھ سے نہ مٹا سکے تو زبان سے مٹائے وگرنہ دل سے برائی سے نفرت کرے۔"

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۰

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

جمیل الرحمٰن

تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع

گذشتہ سے پیوستہ

۳ اپریل بروز اتوار نماز فجر کے بعد پروگرام کے مطابق تقریباً ایک گھنٹہ رفیقِ محترم ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کا درس ہوا۔

ناشتہ کے بعد ۸½ بجے صبح اجتماع کی کارروائی شروع ہوئی جس میں امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خطبہ مسنونہ اور ادعیہ ماثورہ کے ساتھ گذشتہ دن کے تربیتی لیکچر کا آغاز کیا ـــــ امیرِ محترم نے فرمایا کہ مرورِ زمانہ اور قرآن و سنّت کے علوم حقیقی سے بُعد کی وجہ سے مسلمانوں کی عظیم ترین اکثریت کا فرائضِ دینی کا صحیح تصور معدوم کے درجے میں آگیا ہے۔ اور اس کا الّا ماشاء اللہ یہ حال ہے کہ صرف نماز، زکوٰۃ، حج اور روزے ہی کو کل فرائض دینی اور عبادات سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کے لئے کتاب و سنّت میں کہیں بھی 'عبادات' کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ حدیث میں ان کو ارکان اسلام کہا گیا ہے۔ عبادات نہیں۔ امیرِ محترم نے متعدد قرآنی آیات اور احادیث شریفہ سے استشہاد کرتے ہوئے بیان کیا کہ 'عبادت' تو اس ہمہ گیر اور جامع ترین تصور کا نام ہے جس میں ایک بندۂ مومن کا رویّہ یہ ہونا لازمی ہے کہ وہ شعوری طور پر اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں اور پہلوؤں کو اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے تابع کر دے۔ اور اس کی کامل اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لے ـــــ امیرِ محترم نے سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۸۵ کے آخری ٹکڑے سے استدلال کرتے ہوئے بتایا کہ جُزوی اطاعت اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوگی۔ منہ پر دے ماری جائے گی ـــــ امیرِ محترم نے فرمایا کہ انہوں نے آغاز ہی میں واضح کر دیا تھا کہ قرآن حکیم کے تین تقاضے اساسی اور بنیادی ہیں اور تین ان کے لوازم ہیں۔ جس میں سے پہلی سطح جہاد مع النفس ہے جس کا حوالہ کل کے لیکچر میں آچکا ہے امیر محترم نے فرمایا کہ ارکانِ اسلام کی پابندی کرنے اور اللہ کی اطاعت، اس کا تقویٰ

اختیار کرنے اور حقیقی طور پر اللہ کا بندہ بننے کے لئے ایک بندۂ مومن کے لئے اپنے نفس سے جہاد کرنا ہوگا۔ یعنی اسلام ۔ اطاعت، تقویٰ اور کلی عبادت کیلئے بھی جہاد لازم و لابد ہے ۔اور یہ مع النفس ہوگا ـــ امیرِ محترم نے فرمایا کہ ان لوازم میں سے دوسرے لازمے کا تعلق دعوت، تبلیغ، امر بالمعروف نہی عن المنکر اور شہادت علی الناس سے ہے۔ آپ اسلام کا کام کریں گے تو دوسرے باطل نظریات بھی تو دنیا میں موجود ہیں، شرک ہے۔ الحاد و دہریت ہے۔ اشتراکیت ہے ۔ اباحیت ہے ـــ اور یہودیت، مسیحیت، مجوسیت، سبائیت، قادیانیت اور نہ جانے کتنے فتن اور باطل ادیان نیز مادہ پرستانہ فلسفے دنیا میں رائج ہیں۔ ان سب سے نظریاتی سطح پر خیالات اور فلسفوں کی سطح پر کشمکش اور تصادم کرنا ہوگا۔ یہ جہاد کی دوسری سطح ہے ـــ امیرِ محترم نے فرمایا کہ ان دونوں جہادوں کے لئے مسلمان کے پاس اصل تلوار قرآن حکیم ہے۔ نفس بھی اگر اللہ کا مطیع ہوگا تو قرآن ہی کی تلوار سے ہوگا۔ اس ضمن میں امیرِ محترم نے علامہ اقبال کے یہ اشعار پیش کئے ۔

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است　　زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کنی!　　کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی!!

امیرِ محترم نے فرمایا کہ علامہ نے ان اشعار میں خیال دو حدیثوں کے مضمون سے اخذ کرکے بیان کیا ہے ۔ان اشعار کا ترجمہ ہے :۔

"شیطان کو ہلاک کردینا ایک مشکل کام ہے چونکہ اس کا گذر نفسِ انسانی کی گہرائیوں میں ہے ۔ بہتر صورت یہ ہے کہ اسے مسلمان ــ یعنی اس کو اپنا تابع اور مطیع بنا لیا جائے" امیرِ محترم نے فرمایا کہ جہاد مع النفس اور تعلق باللہ اسلامی طرزِ پر سیرت و کردار کی پختگی کے لئے لابدی ہے۔ اس پہلی سطح کے بغیر اسلام کو عملاً اختیار کرنا اور ہمہ تن و ہمہ جہت اللہ کا بندہ بننا ممکن ہی نہیں ہے اور نہ ہی دعوت و تبلیغ، امر بالمعروف نہی عن المنکر اور شہادت علی الناس کا فریضہ سرانجام دینا ممکن ہے ـــ امیرِ محترم نے فرمایا کہ ایک مسلمان کی زندگی بسر کرنے کے لئے جہاد لازم ہے ۔ البتہ اس کی سطحیں مختلف ہیں ۔ جن میں سے دو کا ذکر دہ کر چکے ہیں۔ پہلی سطح مجاہدہ مع النفس اور دوسری سطح باطل نظریات عقائد، فلسفوں سے نظریاتی تصادم اور کشمکش ہے۔ امیرِ محترم نے فرمایا کہ اس مضمون کو علامہ اقبال نے اس شعر میں بڑی خوبی سے سمویا ہے ۔

خام ہے تو تو ہے مٹی کا ایک انبار تو　　پختہ ہو تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو

اس نظریاتی جہاد اور کشمکش کے لئے بندۂ مومن کے ہاتھ میں تلوار' قرآن حکیم کی تلوار ہے۔ نفس بھی اسی سے زیر ہوگا اور نظریاتی تصادم یعنی احقاق حق اور ابطال باطل میں بھی قرآن کی تلوار اصل تلوار ہے۔ امیر محترم نے فرمایا کہ وہ تزکیہ نفس اور دعوت و تبلیغ کے لئے قرآن اور صرف قرآن کی ضرورت اپنے دروس اور خطابات میں شرح و بسط کے ساتھ واضح کرتے رہے ہیں۔ نظریاتی سطح پر کشمکش کرنے کے لئے بھی قرآن کا تلوار ہونا سورہ الفرقان کی اس آیت سے نہایت واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جارہا ہے: وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ٥ یہاں "بِهٖ" میں ضمیر مجرور قرآن کے لئے آئی ہے اور فرمایا جارہا ہے کہ اے نبیؐ! ہم نے تمہارے ہاتھ میں قرآن کی تلوار دی ہے۔ آپ اس کے ساتھ کفار سے جہاد کیجئے زبردست جہاد—— ایک جہاد کی بلند ترین سطح ہے جس میں لوہے کی تلوار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کا ذکر آگے آئے گا——!!

امیر محترم نے فرمایا کہ وہ کل کی تقریر میں بیان کر چکے ہیں کہ دینی فرائض' اساسی دینی فرائض میں سے تیسرا بنیادی فرض دین کو بالفعل اور عملاً قائم اور نافذ کرنے سے متعلق ہے۔ اس کی جڑ تو سورۃ العصر میں "تواصی بالحق" میں پنہاں ہے۔ جو نجات اُخروی کی تیسری ناگزیر شرط ہے۔ لیکن جیسے جیسے یہ مضمون واضح ہوتا جاتا ہے۔ اس کے معنی ومفہوم میں وسعت' جامعیت اور گہرائی و گیرائی پیدا ہوتی چلی جاتی ہے —— امیر محترم نے فرمایا کہ جن لوگوں کو میرے دروس اور تقاریر سننے کا موقع ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ میں سلف کے ان علماء عظام کی رائے سے اتفاق رکھتا ہوں جن کا موقف یہ ہے کہ سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات سے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا آغاز ہوتا ہے اور سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات سے آنحضورؐ منصب رسالت پر فائز فرمائے جاتے ہیں ——!!

بفحوائے آیات يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ٥ قُمْ فَأَنذِرْ ٥ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ٥

امیر محترم نے فرمایا: کل میں نے آپ حضرات کو بتایا تھا کہ دین کو عملاً قائم کرنے کی چار اصطلاحات تو قرآن حکیم میں بیان ہوئی ہیں اور ایک حدیث میں —— قرآن مجید کی اصطلاحات میں دو مکی دور کی ہیں اور دو ہی مدنی دور کی۔ مکی دور کی پہلی اصطلاح تکبیر رب ہے جو سورۃ المدثر میں "وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ" میں بیان ہوئی ہے۔ تکبیر کے مفہوم کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں کو مختلف

مغالطے لاحق ہوئے ہیں۔ امیر محترم نے فرمایا کہ تکبیر کے حقیقی معنی و مفہوم کسی چیز کو بڑا کرنا ہے وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ کا ترجمہ ہوگا" اور اپنے رب کو بڑا کرو۔" یعنی اس شے کی کبریائی، اس شے کی بالادستی، اس شے کا تفوق، اس شے کا مقتدر اعلیٰ ہونا اس کی SUPREMACY بالفعل تسلیم بھی کی جائے اور نافذ بھی ہو۔ یعنی وہ نظام قائم ہو جس میں حاکمیتِ الٰہی اصل الاصول کا درجہ رکھتی ہو۔ امیر محترم نے فرمایا کہ دوسری آیت یعنی قُمْ فَاَنْذِرْ بھی عمیق تدبر کی متقاضی ہے۔ لفظِ" قم" سے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کارِ رسالت کا آغاز ہوتا ہے۔ آپؐ سے فرمایا جاتا ہے کہ" اے لحاف میں لپٹ کر لیٹنے والے کھڑے ہو جاؤ۔ کمر بستہ ہو جاؤ اور اللہ کی کبریائی کا اعلان کرو اور اس کی بڑائی بالفعل قائم کرو۔ لفظ" قم" میں ایک مہم اور ایک تحریک بپا کرنے کے معانی و مفاہیم شامل ہیں۔ جس کا نقطۂ آغاز انذار ہے یعنی لوگوں کو خبردار کرنا کہ زندگی محض اسی دنیا کی زندگی نہیں ہے بلکہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے جس میں ہر انسان کو اس دنیا کے اعمال کی جواب دہی کے لیے عدالتِ الٰہی میں کھڑے ہونا ہوگا۔ اس کا محاسبہ ہوگا اور اس کے مطابق جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے جو انجامِ کار کے اعتبار سے ابدی ہوں گے۔ امیر محترم نے فرمایا: مکی دور کی دوسری اصطلاح اقامتِ دین ہے۔ یہ سورۃ الشوریٰ میں بیان ہوئی ہے۔ وہاں فرمایا: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ط (۱۳) امیر محترم نے فرمایا قائم کرنے کے معنی ہیں کسی چیز کو کھڑا کرنا۔ کوئی چیز زمین پر پڑی ہو۔ تو ہم کہتے ہیں کہ اس کو کھڑا کرو۔ تو اقامتِ دین کا معنی و مفہوم ہوگا کہ دین جو درحقیقت پورے نظامِ حیات کے لیے جامع ترین اصطلاح ہے اسے بالفعل قائم اور نافذ کیا جائے۔ جو نظام نافذ نہ ہو وہ" دین" نہیں کہلائے گا بلکہ وہ" مذہب" بن جائے گا جس کا تعلق محض انسان کے عقیدے اور چند مذہبی و معاشرتی رسومات سے ہوتا ہے جبکہ" دین" کا مفہوم و مقصود پورا

نظامِ زندگی ہوتا ہے جس کی گرفت میں انسان کے انفرادی و اجتماعی دونوں پہلو ہوتے ہیں۔ امیر محترم نے فرمایا: اقامتِ دین کے لیے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ دو مدنی اصطلاحات ہیں، یہ اصطلاحات تکبیرِ رب اور اقامتِ دین کی اصطلاحات کو مزید واضح کر دیتی ہیں۔ پہلی اصطلاح ہے "اظہارِ دین الحق علی الدین کلہ"۔ یہ اصطلاح بغیر کسی شوشے کے فرق کے سورہ توبہ سورہ الفتح اور سورہ الصف میں وارد ہوئی ہے۔ سورہ توبہ اور سورہ الصف میں اس کے آخر میں فرمایا: وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ: اور سورہ الفتح میں فرمایا وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔ امیر محترم نے فرمایا کہ شوریٰ میں بھی اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ کے بعد فرمایا كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ۔ یعنی اللہ کے دین کا غلبہ یقیناً مشرکوں کو سخت ناگوار گزرے گا وہ اس دعوت میں مزاحمت کریں گے لیکن اس کے علی الرغم اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو یہ فرض انجام دینا ہے۔ امیر محترم نے فرمایا: مدنی دور کی دوسری اصطلاح سورہ البقرہ کی آیت ۱۹۳ میں اور پھر سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۳۹ میں آئی ہے۔ ان آیات میں تھوڑا سا فرق ہے۔ سورۃ الانفال میں فرمایا: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سورۃ بقرہ والی آیت میں لفظ كُلُّهٗ نہیں ہے۔ گویا سورہ الانفال میں واضح کر دیا گیا کہ پورے کا پورا نظامِ اطاعت یا نظامِ زندگی اللہ ہی کے لیے ہونا لازمی ہے۔ دین کو اجزا میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہی بات سورہ الزمر میں ان الفاظِ مبارکہ سے آئی ہے کہ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ۔
امیر محترم نے فرمایا کہ اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! مشرکین اور کفار سے تمہاری جنگ اس وقت تک جاری رہنی چاہیے جب تک فتنہ یعنی نظامِ باطل و طاغوت بالکل فرد اور ختم نہ ہو جائے اور کُل کا کُل نظامِ زندگی اللہ کے لیے نہ ہو جائے۔ امیر محترم نے فرمایا: کہ اس ضمن میں، میں نے پانچویں اصطلاح کا حدیث سے حوالہ دیا تھا کہ

لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا - تاکہ اللہ ہی کا کلمہ یعنی اس کے فرامین احکامات اوامر و نواہی اس کے احکام ہی عالم تشریعی میں نافذ ہوں اور در حقیقت اللہ ہی کے فرامین کو اعلیٰ اور برتر ہونے کا مقام حاصل ہے امیر محترم نے فرمایا: یہی وہ بات ہے جو موجودہ محرف شدہ اناجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی اس دعا میں آج بھی موجود ہے کہ "اے اللہ جس طرح تیری بادشاہی آسمانوں میں قائم ہے، اسی طرح اس زمین پر بھی قائم ہو" - امیر محترم نے فرمایا: کہ آپ جانتے ہیں کہ کلمہ شہادت، جس کے اقرار باللسان سے ایک فرد دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے، دو اجزاء پر مشتمل ہے - اس کا پہلا جزو ہے، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ــ اس جز کا تعلق ایک مسلمان کے ان فرائض دینی سے ہے جو میں نے اسلام، اطاعت، تقویٰ، اور عبادت کی قرآنی اصطلاحات کے حوالے سے بیان کیں - اس کلمہ شہادت کا دوسرا جزو ہے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ - اس کا تعلق ان اصطلاحات سے ہے جو میں نے آپ کے سامنے دعوت، تبلیغ، تبشیر، انذار، وعظ، تذکیر، نصیحت، وصیت، امر بالمعروف نہی عن المنکر شہادت علی الناس اور تکبیر رب اقامت دین، اظہار دین الحق علی الدین کلہ، وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ - کی قرآنی اصطلاحات اور لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا حدیث کی اصطلاح سے بیان کی ہیں - یہ وہ اصطلاحات ہیں جن کے ذریعے امت محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا تعلق کار رسالت سے جڑ جاتا ہے - چونکہ نبی اکرم پر نبوت و رسالت کا اتمام و اکمال ہوا اور اب تا قیام قیامت آپ ہی کا دور رسالت جاری و ساری رہے گا - لہٰذا تا قیام قیامت یہ فریضہ من حیث المجموع امت کو ادا کرنا ہے - جیسے قرآن حکیم میں فرمایا وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا ط اور کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ - نیز احادیث شریف میں بیان ہوا،

بلغوا عنی ولو آیۃً اور فلیبلغ الشاھد الغائب۔ لیکن اگر امت اس فرض سے غافل ہو جائے تو حکم الٰہی ہے کہ اس بڑی امت میں سے ایک جماعت تو ضرور ایسی قائم رہنی چاہیے جو اس کام کو انجام دینا شعوری طور پر اپنے فرائض دینی میں شامل سمجھے۔ بمصداق آیت: وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ۔ امیر محترم نے فرمایا: کل اور آج میں نے دینی فرائض کا جو جامع تصور آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اس سے یہ بات آپ کے سامنے آگئی ہوگی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت خالصۃً انقلابی دعوت تھی اور تحریک تھی۔ اجتماعیت کی کئی اقسام ہو سکتی ہیں۔ مثلاً اصلاحی، تبلیغی، علمی اور سیاسی۔ ان اقسام میں یہ بات مشترک ہوتی ہے کہ رائج الوقت کو صحیح اور درست تسلیم کیا جاتا ہے۔ البتہ جزوی تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے مثلاً معاشرہ میں کچھ سماجی برائیاں رواج پا جاتی ہیں تو ان کے لیے اصلاحی عمل کفایت کرتا ہے۔ اگر معاشرہ میں عملی طور پر دین سے شغف میں کمی واقع ہو تو ایسی صورت میں تبلیغی نوعیت کے کام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے علمی و تدریسی کام بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ کسی ملک میں جو سیاسی نظام بالفعل قائم ہے اس سے اگر اصولاً اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف یا تو جزئیات میں ہے یا اس امر میں ہے کہ جو گروہ فی الوقت برسرِ اقتدار ہے، وہ اپنے فرائض صحیح طور پر انجام نہیں دے رہا۔ لہٰذا ہاتھوں کی تبدیلی ضروری ہے۔ جس کے لیے انتخابات ملکی کے ذریعے مختلف سیاسی پارٹیوں کی طرف سے تبدیل کرنے کی کوشش کا نام سیاسی کام ہے۔ امیر محترم نے فرمایا: اب انقلابی کام کو سمجھیے جو ان انواع کے کاموں سے قطعی مختلف ہوتا ہے۔ انقلابی کام یہ ہوتا ہے کہ کسی جگہ جو نظام بالفعل اور فی الحقیقت قائم ہے اس کو جڑ سے اکھیڑتا ہے۔ بنیاد سے تبدیلی لاتی ہے۔ پورے نقشے کو بدلنا ہے۔ امیر محترم نے فرمایا کہ اس انقلابی کام کی نوعیت کی مولانا روم ؒ نے اس شعر میں خوب ترجمانی کی ہے۔

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کا باداں کنند
تو می دانی اوّل آں بنیاد را ویراں کنند

اسی بات کو جگر مراد آبادی کے اس شعر سے بھی بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

یہ صحن وروش، یہ لالہ وگل ہونے دو جو ویراں ہوتے ہیں
تخریب جنوں کے پردے میں تعمیر گلستاں ہوتے ہیں

امیر محترم نے فرمایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوّت ورسالت پر فائز ہونے کے بعد پوری حیاتِ طیبہ ایک انقلابی جدوجہد کا مکمل نقشہ پیش کرتی ہے۔ انقلابی کام کے تینوں لوازم اس دعوت میں ہمیں نظر آتے ہیں یعنی پہلے ایک فکر ونظریہ ہو، جو واقعی انقلابی ہو — ہم اسے دینی اصطلاح میں کہیں گے دعوتِ توحید — چنانچہ آپؐ کو دنیا کا سب سے عظیم اور سب سے بڑا انقلابی فکر اور نظریہ رب العلمین کی طرف سے عطا کیا گیا جس سے زیادہ انقلابی نظریہ کوئی ہو نہیں سکتا اور وہ ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ۔ یہ فکر ونظریہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جناب محمد کو عطا ہوا۔ صلی اللہ علیہ وسلم — یہ آپؐ کی سوچ اور غور وفکر کا نتیجہ نہیں تھا اس لیے ہر خطا سے مبرا ہے جبکہ دنیا کے اور دوسرے انقلابی نظریات خالصتاً انسان کی اپنی سوچ اور غور وفکر کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ بلکہ نظریہ توحید دنیا کے تمام باطل نظریات اور باطل نظام ہائے حیات کے خلاف اعلانِ بغاوت ہے۔ امیر محترم نے فرمایا کہ ہر انقلابی فکر کا کوئی داعی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس انقلابی فکر کے داعی اللہ تعالیٰ کے حکم سے خود جناب محمد رسول اللہ تھے — بمصداقِ آیتِ قرآنی، یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ اسی نسبت سے آں حضورؐ کے لائے ہوئے انقلابی فکر کا دوسرا جزو محمد رسول اللہ قرار پایا۔ امیر محترم نے فرمایا کہ تمام دنیوی انقلابی فکر کا دوسرا لازمہ ہوتا ہے کہ اس فکر کی نشر واشاعت ہو۔ رائج الوقت تمام ذرائع ابلاغ استعمال ہوں۔ منصبِ رسالت پر فائز ہونے کے بعد یہی کام جناب محمد نے کیا صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس پورے کام کے لیے دعوت وتبلیغ اور وہ تمام قرآنی اصطلاحات جوڑ لیجئے جو ہیں

دو مرتبہ بیان کر چکا ہوں ۔ انسانوں کے بنائے ہوئے انقلابی نظریات کے لیے لٹریچر ہوتا ہے۔ اسلامی انقلابی دعوت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر قرآن مجید نازل فرمایا۔ یہی اس انقلابی فکر کا اصل لٹریچر ہے اور تا قیامت یہی اصل اور اساسی لٹریچر رہے گا ___ امیرِ محترم نے فرمایا ___ ہر انقلابی فکر کا تیسرا ناگزیر لازمہ ہوتا ہے کہ جو اس فکر اور دعوت کو قبول کر لیں ان کی تنظیم و تربیت ہو ___ انقلابی کام کے لیے ڈھیلے ڈھالے قواعد و ضوابط کے ساتھ انجمن اور ایسوسی ایشن کی نوع کی تنظیم ہرگز کفایت نہیں کرتی بلکہ ایسی تنظیم کی ضرورت ہوتی ہے جو ایک قائد کے اشارے پر حرکت کرے ___ سمع و طاعت یعنی سنو اور اطاعت کرو اس ہیئت اجتماعیہ میں اساسی حیثیت رکھتی ہے ۔ یہ جماعت MILITARY DISIPLINE کی متقاضی ہوتی ہے۔ چنانچہ ملٹری ڈسپلن کا موٹو (MOTTO) ہوتا ہے :

There is not to reason why !
There is but do and die !

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایسی ہی جماعت منظم فرمائی تھی۔ جو آپ کے ابرو کے اشارے پر پروانہ وار نثار ہونے کا ولولہ اور حوصلہ رکھتی تھی۔ اور اس کو اپنے لیے سعادت خیال کرتی تھی ___ امیرِ محترم نے فرمایا کہ تنظیم کے ساتھ ہی تربیت بھی کی جائی ناگزیر ہے ۔ لیکن یہ تربیت اپنے ہدف کی مناسبت سے ہوتی ہے ۔ اگر انقلاب صرف دنیوی اور مادی نقطۂ نظر تک محدود ہے تو اس میں اخلاقی اور روحانی ترفع اور تربیت کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ اس کو اس کے منافی سمجھا جاتا ہے جبکہ اسلامی انقلاب کا اصل نصب العین رضائے الٰہی کا حصول ہے لہٰذا اس فکر اور دعوت کے لیے پورا زور اخلاقی و روحانی تربیت پر دیا جاتا ہے جیسا کہ ہمیں سیرتِ مطہرہ اور سیرتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور خود قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے ۔ اس کے لیے قرآن مجید کی اصل اصطلاح تزکیہ ہے ۔

امیرِ محترم نے فرمایا اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ تزکیہ کا

بھی اصل ذریعہ قرآن مجید ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں تین مقامات پر تلاوتِ قرآن کے فوراً بعد تزکیہ کی اصطلاح آتی ہے۔ سورہ یونس میں بات صاف کر دی گئی ہے کہ سینوں کے امراض کے لیے بھی شفاء قرآن حکیم ہی ہے۔ وہاں فرمایا: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ۔ امیر محترم نے فرمایا: میری اس بات کو اپنے ذہنوں میں مستحضر کیجیے کہ میں نے کہا تھا کہ باطن میں نفس امارہ سے اور خارج میں باطل نظریات سے کشمکش کرنے کے لیے مومن کے پاس تلوار قرآن کی تلوار ہے۔ لہٰذا تزکیہ نفس کا بھی نسخہ یہی قرآن حکیم ہے۔ امیر محترم نے فرمایا۔ اب تک میں نے انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے ابتدائی تین مراحل آپ حضرات کے سامنے پیش کیے ہیں۔ ان کو نمبر وار اپنے ذہن نشین کر لیجیے۔ پہلا ناگزیر مرحلہ یہ ہے کہ فکر واقعی انقلابی ہو۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فکر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا اس سے بڑا کوئی انقلابی فکر انسان نے کبھی سوچا ہی نہیں۔ اس فکر کے تواتر کے ساتھ امین رہے ہیں۔ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اس نظریہ کو قبول کرنے والوں یا بالفاظِ دیگر ایمان لانے والوں سے پہلا مطالبہ ہے کہ وہ خود اپنی فکری و عملی زندگی اس نظریے کے مطابق استوار کریں جس کے لیے میں نے اسلام، اطاعت، تقویٰ اور عبادت کی قرآن کی چار اصطلاحات پیش کی تھیں۔ یعنی یہ فکر ہے: توحید جس کا کلمہ ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ دوسرا ناگزیر مرحلہ ہے کہ اس فکر کی نشر و اشاعت ہو۔ جس کے لیے متعدد قرآنی اصطلاحات میں آپ کے سامنے پیش کر چکا ہوں۔ جن میں دعوت، تبلیغ، امر بالمعروف نہی عن المنکر، شہادت علی الناس اہم ترین اصطلاحات ہیں۔ تیسرا ناگزیر مرحلہ ہے کہ اس فکر، نظریہ اور دعوت کو قبول کرنے والوں کو منظم کیا جائے اور ان کی تربیت کی جائے۔ نظم کے لیے اصطلاحات ہیں، جماعت اور حزب اللہ۔ پہلی اصطلاح قرآن مجید کی متعدد آیات سے مستنبط ہے۔ البتہ حدیث میں یہ

اصطلاح "جماعت" ہی کے لفظ کے ساتھ استعمال ہوئی ہے۔ حضرت حارث الاشعری رض کی یہ روایت تو ہم نے بہت عام کی ہے اور مجھے توقع ہے کہ آپ سب کو یاد ہوگی : اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ بِالْجَمَاعَۃِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْھِجْرَۃِ وَالْجِھَادِ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ ۔ حِزْبُ اللّٰہ خالصتہً قرآن مجید کی اصطلاح ہے ۔ میں عرض کرتا رہا ہوں کہ قرآن مجید کا یہ اسلوب ہے کہ اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور بیان ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ اصطلاح ایک مرتبہ سورۃ المائدہ آیت ۵۶ میں آئی۔ فرمایا : وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۔ دوسری مرتبہ سورۃ المجادلہ کی آیت نمبر ۲۲ کے آخر میں دو مرتبہ اس اصطلاح کو استعمال کیا گیا۔ وہاں نبی اکرم ؐ اور آپ ؐ کے صحابہ کرام رض کی شان میں فرمایا : رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ط اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ ط اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ہ

(جاری ہے)

کاروباری اور صنعت کار حضرات کے
میثاق
کے ساتھ تعاون کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ
اس میں اشتہار شائع کرائیں

نرخنامہ اشتہارات

سرورق :	آخری صفحہ :	۱۵۰۰/= روپے	فی اشاعت
	دوسرا صفحہ (اندرونی) :	۱۲۰۰/= 〃	〃
	تیسرا صفحہ (اندرونی) :	۱۰۰۰/= 〃	〃
اندرونی عام صفحات :	پورا صفحہ	۸۰۰/= روپے	فی اشاعت
	نصف صفحہ	۵۰۰/= 〃	〃

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

رین بو انٹرنیشنل

برآمدی اشیاء

آرٹ سلک فیبرکس گارمنٹس ❖ بیڈ شیٹس
کاٹن کلاتھ ❖ کاٹن گارمنٹس ❖ احرام تولیہ ❖ تولیہ
ہینڈی کرافٹس ❖ لکڑی کا فرنیچر۔

درآمدی اشیاء

لاکھ دانہ ❖ سٹکر فلم ❖ سوچ سٹارٹر
ربڑ لیسٹکس ❖ پولیسٹر ریان۔

مرکزی دفتر

I فلور غلام رسول بلڈنگ ۶۔ شاہراہِ قائدِ اعظم لاہور
ذیلی دفاتر:- کراچی - فیصل آباد۔

ڈاکٹر اسرار احمد کا دورہ کوئٹہ

سہ روزہ دعوتی پروگرام

از قلم ابوالمظفر محمد اکرم بھٹی رفیق تنظیم اسلامی کوئٹہ

تنظیم اسلامی کی کوئٹہ شاخ کو اگر نوخیز کلی سے تشبیہ دی جائے تو یہ بات بے جا نہ ہوگی۔ اس کا وجود فروری ۱۹۸۲ء میں اس وقت عمل میں آیا جب راقم الحروف نے میاں محمد نعیم صاحب کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اس میں شمولیت اختیار کی تھی۔ لیکن فرزندان توحید کوئٹہ کے کان اس کے نام سے اس وقت مانوس ہوئے جب گذشتہ سال مئی میں امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کوئٹہ کا دورہ کیا اور عامیانِ کوئٹہ نے امیرِ تنظیم کی پر اثر آواز سے فیض حاصل کیا۔

اس سال تنظیم کے سالانہ اجتماع کے انعقاد تک مقامی تنظیم کچھوے کی چال بڑے استقلال سے چلتی رہی اور اس میں نو افراد شریک ہوئے۔ لیکن اس ننھی منی تنظیم کو جب امارت کا درجہ دورانِ اجتماع نصیب ہوا تو دل بے اختیار چاہا کہ اتنے بڑے اعزاز کے حصول کی خوشی میں اگر امیرِ محترم فوراً کوئٹہ کا خصوصی دورہ کریں تو کتنا اچھا ہو۔ الحمدللہ یہ سوچ دورانِ اجتماع ہی حقیقت کا روپ دھار گئی جب یہ معلوم ہوا کہ امیر محترم ۲۱ تا ۲۴ اپریل ۱۹۸۳ء کو کوئٹہ کا دورہ کریں گے۔

اس دورے کا بڑا ہی مؤثر پروگرام تنظیم اسلامی کوئٹہ کے پہلے نامزد امیر جناب میاں محمد نعیم صاحب نے امیرِ محترم کی منظوری سے ترتیب دے ڈالا۔ طے یہ پایا کہ اس بار امیرِ محترم اہلِ کوئٹہ کو نہ صرف درسِ قرآن سے فیضیاب فرمائیں گے بلکہ خطبۂ جمعہ بھی دیں گے۔ حسبِ سابق اس بار بھی درسِ قرآن کے لئے قلبِ شہرِ گلاب یعنی جامع مسجد طوبیٰ کو منتخب کیا گیا اور خطابِ جمعہ کے لئے وسعتِ بے پایاں کی حامل کعبہ کی بیٹی جامع مسجد ملٹری ڈیری فارم چُنی گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے درسِ قرآن کیلئے سورۃ الصف کا انتخاب کیا تاکہ قرآن پاک کی انقلابی دعوت کی بنیاد پر فریضۂ اقامتِ دین کی جدوجہد

کے لئے مسلمانوں کو دعوت دی جائے ۔ اور اس مقصد کے لئے تین روزہ درس قرآن کا پروگرام ۲۱ تا ۲۳ / اپریل ۱۹۸۳ء طے پایا۔ خطابِ جمعہ کے لئے ڈاکٹر صاحب نے "مسلمانوں کی دینی ذمہ داریاں اور ان سے عہدہ برآ ہونے کا طریقہ" موضوع تجویز کیا۔ اس پروگرام سے دونوں مساجد کے خطیب حضرات کو ٹیلیفون پر آگاہ کر دیا گیا۔ ان دونوں حضرات نے خطباتِ جمعہ (۸ / اپریل ۸۳ء) میں مسلمانانِ کوئٹہ کو ڈاکٹر صاحب کے دورۂ کوئٹہ کا مژدہ سنایا اور ان کے پروگرام سے آگاہ کیا۔ مقامی اخبارات روزنامہ مشرق اور روزنامہ جنگ نے امیر محترم کے پروگرام کو خبر کی شکل میں شائع کیا۔ راقم اور امیر تنظیم اسلامی کوئٹہ جناب محمد نعیم صاحب جب موسم کے ستائے ہوئے ۹ اپریل کی بجائے ۱۲ / اپریل کو کوئٹہ پہنچے تو ڈاکٹر صاحب کے مجوزہ دورہ کی تیاریوں کا وقت بے حد قلیل تھا اور کوئٹہ کا موسم ایسا غضب ناک ہو رہا تھا کہ دل دہلا جاتا تھا کہ سارا پروگرام کہیں بارش میں تتر بتر نہ ہو جائے۔ لیکن جس کے دین مبین کی اقامت کی جد وجہد امیر محترم کر رہے ہیں اس ذات باری تعالیٰ نے ہم پر بیحد کرم فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب کی آمد سے دو روز پہلے یہ شہرِ گلاب باراں سے دھل کر سنہری دھوپ میں چمک اٹھا۔ اس دوران مقامی رفقاء اور ان کے احباب نے اہلِ کوئٹہ کو ڈاکٹر صاحب کے دورہ کے پروگرام سے روشناس کرانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ پوسٹر، بینر، ہینڈبل، اخبارات میں خبریں اور مساجد میں اعلانات غرضیکہ وقتِ حاضر کے وسائلِ نشر و اشاعت بروئے کار لائے گئے اور یوں کوئٹہ اور مضافات کوئٹہ کا بچہ بچہ مردِ حق گو کے پروگرام سے آگاہی حاصل کر چکا تھا۔

۱۲/ اپریل کی کوئٹہ ایکسپریس ایک عجب شان سے کوئٹہ کی فضاؤں میں داخل ہوئی اور جیسے ہی یہ ریلوے سٹیشن پر رکی اس میں سے وہ مردِ مومن سرزمین کوئٹہ پر وارد ہوا جس نے کوئٹہ کے لاکھوں فرزندانِ توحید کو اقامتِ دین کا درس دینا تھا۔ اس مردِ مومن کو خوش آمدید کہنے والوں میں عقیدت مندوں کے علاوہ جاں نثارانِ امیر بھی شامل تھے۔

امیر محترم کا قیام اس بار بھی سدا بہار مسکراہٹ کے حامل رُخِ روشن کے مالک جناب چوہدری محمد یوسف اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل بلوچستان کی رہائش گاہ واقع السکمب روڈ پر ہی تھا۔ چوہدری صاحب بڑے خوش قسمت نکلے کہ امیر محترم

کا لمحہ لمحہ کا ساتھ انہیں نصیب ہوا اور یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ ڈاکٹر صاحب کے محافظ ہیں ـــــــ !

امیرِ محترم نے کچھ دیر آرام فرمایا اور حسبِ پروگرام بعد نمازِ مغرب جامع مسجد طوبیٰ میں سورۃ الصف پر مبنی درسِ اوّل دیا۔ اس درس میں حاضری اگرچہ امیرِ محترم کے سالِ گذشتہ کے درسِ اوّل کی نسبت کم تھی لیکن یہ حقیقت بڑی خوش آئند تھی کہ حاضرین کی اکثریت تعلیمیافتہ لوگوں کی تھی۔ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ڈاکٹر صاحب کی دعوت ملک کے نوجوان اور تعلیمیافتہ طبقہ میں اپنا خاص مقام پیدا کرچکی ہے۔ اور تنظیم اسلامی کا مشن " اقامتِ دین " اب نوجوان نسل کے لئے " نشانِ منزل " کی حیثیت اختیار کرتا جارہا ہے۔

امسال بھی مسجد کے دروازے کے ساتھ ہی تنظیم اسلامی کا مکتبہ لگایا گیا تھا۔ جس میں امیرِ محترم کی تصانیف رکھی گئی تھیں۔ اہلِ کوئٹہ نے اس بار بھی مکتبہ میں خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا۔ "لمشرالقرآن" "سیریز" کے کیسٹ چونکہ امسال کوئٹہ پہنچ نہ پائے اس لئے خریداروں سے بار بار معذرت کرنا پڑی۔

خواتین نے اس سال بھی ڈاکٹر صاحب کے درس میں شرکت کی اور یہ ثابت کردیا کہ وطنِ عزیز کی مسلمان خواتین فریضۂ اقامتِ دین کی ادائیگی میں کسی طرح بھی پیچھے نہیں ہیں۔

۲۲، اپریل کی صبح بہت سے احباب نے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی۔ ان میں کوئٹہ کی معروف شخصیت جامع مسجد فیض محمد روڈ کے خطیب مولانا محمد عرفان صاحب بھی تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب سے اپنی مسجد میں درسِ حدیث دینے کی درخواست کی۔ ڈاکٹر صاحب نے ۲۴، اپریل کی نمازِ فجر کے بعد درسِ حدیث دینا قبول کرلیا۔

آج ڈاکٹر صاحب کا خطابِ جمعہ کا پروگرام جامع مسجد ڈیری فارم کے لئے طے تھا۔ یہ مسجد اپنے محلِ وقوع اور وسعت کے اعتبار سے اجتماعِ جمعہ کے لئے کوئٹہ کی موزون ترین مسجد ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا خطاب اگرچہ ایک بجے شروع ہونا تھا۔ لیکن مسجد امیرِ محترم کی آمد سے قبل ہی اپنی تمام تر وسعت کے باوجود تنگیٔ داماں کا اظہار کر رہی تھی اور فرزندانِ توحید کا ایک اژدہام مسجد سے ملحقہ پلاٹوں میں صف آراء ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک بجے

سے سوا دو بجے تک خطاب فرمایا اور اس مختصر وقت میں حاضرین کو اقامتِ دین کے فرض ہونے اور اس کے لئے جدوجہد کرنے کا طریقہ جامع (مگر مختصراً) انداز میں سمجھا دیا۔ تفصیل جاننے کے خواہشمند حضرات سے ڈاکٹر صاحب نے مسجد طوبیٰ میں دروسِ قرآن میں شرکت کے لئے کہا۔ ڈاکٹر صاحب نے حاضرین سے استدعا کی کہ اگر وہ واقعی اقامتِ دین کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے مخلص ہیں تو وہ ان کے شام کے دروسِ قرآن میں شریک ہوں اور ان کے پیغام کو، جس کا خلاصہ انہوں نے خطابِ جمعہ میں بیان کر دیا ہے، تفصیل سے سمجھیں، تاکہ انہیں اپنی دینی ذمہ داریوں کا احساس ہو سکے۔

تنظیم اسلامی کا مکتبہ یہاں بھی لگایا گیا تھا، جس کا انتظام راقم الحروف اور بھائی منظور کے ذمہ تھا۔ نمازِ جمعہ کے بعد امیر محترم کی تصانیف ہاتھوں ہاتھ بکیں۔ ایک نہایت خوش آئند بات جو مکتبہ کی فروخت پر محسوس کی گئی وہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی تصانیف میں نوجوانوں کی دلچسپی دیدنی ہے۔

مسجد کے اندرونی مین ہال کے بالکل نیچے گیلری میں خواتین کے لئے ادائیگی نمازِ جمعہ کا خصوصی اہتمام کیا گیا تھا۔ اس لئے مسجد کے ہال اور گیلری میں لاؤڈ سپیکر کی آواز کو بہت مدھم رکھا گیا تھا تاکہ خواتین مردِ حق کی حق گوئی سے بطریق احسن فیضیاب ہو سکیں۔ لیکن یہ بات ڈاکٹر صاحب کے لئے بڑی مشکل کا باعث بن گئی۔ زیادہ زور سے بولنے سے نہ صرف امیر محترم کی آواز بیٹھ گئی بلکہ انہیں حرارت بھی ہو گئی۔ خطابِ جمعہ کے بعد ڈاکٹر صاحب نے دواؤں کا سہارا لیا اور اس طرح وہ شام کے درسِ قرآن کے لئے خود کو تیار کر پائے۔

آج خطابِ جمعہ میں ڈاکٹر صاحب نے فرزندانِ توحید کی خوابیدہ روحوں کو جس انداز میں بیدار کیا تھا اس کا اثر شام کے درسِ قرآن میں نمایاں طور پر نظر آیا اور کوئٹہ کی کثیر آبادی آج کے درسِ قرآن میں شامل ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے آج کے درسِ قرآن میں سورۃ الصف کے دوسرے رکوع کی روشنی میں مسلمانوں کو ان کی اقامتِ دین کے سلسلہ میں ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔

۲۲ اپریل کو نمازِ فجر کے بعد تنظیم اسلامی کوئٹہ کے امیر جناب محمد نعیم صاحب کی اقامت گاہ پر مقامی رفقاء کے ساتھ امیر محترم کی مختصر نشست ہوئی۔ اس نشست میں دو رفقاء نے ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے علاوہ

نعیم صاحب کی اہلیہ محترمہ نے بھی بیعت کی اور یوں ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ کوئٹہ کی خاتونِ اوّل بن گئیں جو صرف اور صرف اللہ کے لئے جینے اور مرنے کو ہر دم تیار ہیں۔

اس مختصر نشست کے بعد امیر محترم چمن کے معلوماتی دورے پر تشریف لیگئے۔ راستہ خراب ہونے کے باوجود امیرِ محترم نے چمن کا دورہ کیا اور سال گذشتہ کی طرح امسال بھی امیر محترم نے اندرونِ بلوچستان کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے بے انتہا مصروفیات کے باوجود وقت نکال لیا۔ واضح رہے کہ پچھلے سال امیر محترم نے قلات کا دورہ کیا تھا۔

چمن سے امیر محترم کی واپسی شام سے پہلے پہلے ہو گئی اور بعد نماز مغرب انہوں نے سورۃ الصف کے پہلے رکوع پر مبنی درس دیا۔ اس درس میں امیر محترم نے سابقہ امتوں کے اقامتِ دین کے فریضہ سے منہ موڑنے اور اس کے ضمن میں خدا کی طرف سے ان سے بے تعلقی کا ذکر کیا۔ اور ایک امّت کی حیثیت سے مسلمانوں کو یہ احساس دلایا کہ دین اسلام کو تمام مذاہب پر غالب کرنے کے لئے ان ہی پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ امیر محترم نے بیعت کے سلسلہ کی بھی تفصیلاً تشریح کی اور لوگوں کے سامنے تنظیم اسلامی کے مقاصد رکھے۔ علاوہ ازیں انہوں نے اقامتِ دین کے لئے کسی نہ کسی سے جڑ جانے کی تلقین بھی کی۔

۴ر اپریل کو نمازِ فجر کے فوراً بعد امیر محترم نے حسب وعدہ جامع مسجد فیض محمد روڈ میں درس حدیث دیا۔ یہاں بھی حاضرین کی بھاری تعداد کے باعث مسجد نے اپنی تمام تر وسعت کے باوجود تنگیٔ داماں کا اظہار کیا۔ امیر محترم نے مطالعۂ قرآن حکیم کے منتخب نصاب میں شامل حضرت معاذؓ سے مروی حدیث رسولؐ کا درس دیا جو ایک گھنٹہ جاری رہا۔ ڈاکٹر صاحب نے جس دل نواز اور دل نشین انداز میں یہ درس دیا اس سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ سب واقعات سامعین کی آنکھوں کے سامنے ہی وقوع پذیر ہو رہے ہیں۔

درسِ حدیث کے فقط دو گھنٹے بعد ہی مجلسِ سوال و جواب کا انعقاد ہوا۔ جو کہ تین گھنٹے جاری رہی۔ اس مجلس میں حاضرین کی تعداد کم و بیش دو سو کے قریب تھی۔ امیر محترم نے نہایت فصاحت اور ذہانت کے ساتھ سائلین کے

سوالات کے جوابات دیئے اور ان کی تسلّی و تشفّی کی ممکنہ کوشش کی۔

اس مجلس کے فوراً بعد تنظیم اسلامی میں شرکت کے لئے آئے ہوئے حضرات سے امیر محترم نے بیعت لی۔ اس سال امیر محترم کے دورہ کے اثرات جس سرعت کے ساتھ ظاہر ہوئے اس کے لئے ہم تمام رفقاء کوئٹہ سورۃ النصر کی روشنی میں خدائے بزرگ و برتر کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہوئے اس کی ذات کریم کے مشکور و ممنون ہیں کہ بیک وقت ۲۴ داعیانِ حق نے مردِ حق کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی جانوں کا سودا اللہ سے جنّت کے عوض کر لیا ہے۔ ۶ مزید ساتھیوں نے تنظیم میں شمولیت تو اختیار کر لی ہے مگر کسی وجہ سے امیر محترم کے دستِ شفقت پر بیعت نہ کر سکے۔ انہوں نے عہد نامے پُر کر دیئے ہیں اور موقع کے منتظر ہیں کہ امیر محترم کے ہاتھ پر جلد از جلد بیعت کریں۔

ڈاکٹر صاحب کی اس چار روزہ مساعیٔ شب و روز نے ہمیں ۳۰ مجاہد عطا کر دیئے ہیں اور حزب اللہ میں حزب الشیطان سے برسرپیکار ہونے کے لئے مزید سربکفن سپاہ کا اضافہ ہوا ہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ!!

بیعت کی اس رُوح پرور تقریب کے بعد امیر محترم کی روانگی میں فقط ڈیڑھ گھنٹہ باقی رہ گیا تھا۔ اور ان کا انتظار اس دعوت طعام میں بڑی بے چینی سے ہو رہا تھا جو ہمارے محترم رفیق منظور احمد صاحب کے چچا جناب چودھری بشیر احمد صاحب نے ترتیب دے رکھی تھی۔ اسی لئے فوراً ہی امیر محترم، چودھری محمد یوسف صاحب کے ہمراہ اس ظہرانے میں شرکت کے لئے طعام گاہ پہنچے اور پھر وہیں سے ڈاکٹر صاحب ریلوے اسٹیشن پہ آگئے۔ یہاں کوئٹہ ایکسپریس ان کی منتظر تھی۔ گاڑی ٹھیک دس منٹ کم تین بجے اس مردِ حق گو کو لے کر عازم لاہور ہوئی جس کی آوازِ حق نے کوئٹہ کے لاکھوں فرزندانِ توحید کے دل و دماغ میں ہلچل مچا دی ہے اور وہ فریضۂ اقامتِ دین کی ادائیگی کے لئے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرنے پہ مجبور ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس مردِ حق گو کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

ڈاکٹر صاحب کے دورۂ کوئٹہ کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے ہمارے رفیق محترم جناب بھائی منظور احمد صاحب، ان کے ضعیف مگر جذبۂ جوان کے حامل والد محترم اور ان کے بھائی خوشنود اور قاسم نے جس طرح تن من دھن قربان

کیا ہے وہ ہم سب کے لئے قابلِ تقلید ہے ۔ واقعتاً اگر ہم مقامی رفقاء کو ان حضرات کا یہ مجاہدانہ تعاون حاصل نہ ہوتا تو ہم امیر محترم کا دورۂ کوئٹہ شاید اس طرح کامیاب نہ بنا پاتے ۔ خدا اس خاندان پر اپنی نعمتوں کا نزولِ خاص فرماتے ۔ آمین ۔

مکتبہ کی اس سال کی سب سے بڑی کامیابی ماہنامہ میثاق کی سالانہ خریداری میں اضافہ ہے ۔ تین روز کے مکتبہ میں ۶ افراد نقد زرِ تعاون سے خریدار بنے ۔ ۱۹ حضرات نے اپنے وی پی آرڈرز بک کرائے ۔ خدا تعالیٰ ان سب کو تنظیم کے مقاصد سے ہم آہنگی عطا فرمائے ۔ آمین !

اس ساری روئیداد کو سمیٹنے سے قبل اگر میں ان بے لوث اور مخلص معاونین کا ذکر نہ کروں جنہوں نے اس دورہ کے دوران امیر محترم کی میزبانی کی تو یہ واقعی کم ظرفی ہوگی ۔ ان میں کوئٹہ کی سب سے ممتاز طبی شخصیت جناب حکیم زبیر صاحب، کوئٹہ کے ممتاز فوٹو گرافر جناب ممتاز حسین زیدی صاحب، کوئٹہ چھاؤنی کے خطیب جناب قاری یار محمد صاحب، مہمان نواز خاندان کے فرزندان چوہدری محمد بخش صاحب اور چوہدری بشیر احمد صاحب اور خطیب جامع مسجد طوبیٰ قاری سید افتخار احمد صاحب کاظمی شامل ہیں ۔

"اسلام میں خواتین کا مقام"
کے موضوع پر
ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب
ماہنامہ میثاق کے مئی ۸۲ء کے شمارے
یعنی اشاعتِ خصوصی میں ملاحظہ فرمائیں
مزید برآں
اس موضوع پر دیگر اصحابِ علم و دانش کی تحریریں بھی
اس اشاعتِ خصوصی میں شامل ہیں
یہ شمارہ دفتر میں محدود تعداد میں موجود ہے

PEPSI

MIRINDA

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶۰۳۱
۲۳۹۳۱

از: رحمت اللہ بٹر

رفتارِ کار

ڈیرہ غازی خان سے جامعہ اسلامیہ کی دعوت پر، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر خطاب کرنے کے لئے، امیر محترم ۱۱ر اپریل کو ملتان تشریف لے گئے — وہاں جناب کرنل ریٹائرڈ ڈاکٹر حافظ غلام حیدر ترین صاحب بھی امیر محترم کے ہمراہ ہولئے - قبل دوپہر، بار روم میں، جہاں کافی تعداد میں وکلاء حضرات موجود تھے، پاکستان اور احیاء اسلام کے موضوع پر خطاب ہوا اور سوالات کے جوابات دیئے گئے -

صبح سے شام تک بارش ہوتی رہی۔ اس وجہ سے جامعہ اسلامیہ میں جلسہ نہ ہو سکا بلکہ شہر کی ایک جامع مسجد میں خطاب ہوا - یہ عام تاثر دیا گیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب شیعہ سنی فساد کروانے آئے ہیں اور اس بارے میں سوالات بھی ہوئے - چنانچہ آپ نے اس سلسلے میں وضاحت کی اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عظمت صحابہ پر ۲½ گھنٹے خطاب کیا اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلابی پہلو کو واضح کیا -

ڈیرہ غازی خان میں قیام ڈاکٹر ایم اصغر مسعود ایم بی بی ایس کے یہاں رہا، اور بہت سے شرفاء شہر سے ملاقات ہوئی۔ مکتبہ بھی لگایا گیا لیکن کیسٹ نہ ہونے کی کمی بہت محسوس کی گئی

۱۲ر اپریل کی صبح کو واپسی ہوئی -

تنظیم توحید والسنتہ ڈیرہ اسماعیل خان کی دعوت پر امیر محترم ۱۷ر اپریل کی صبح کو ۸ بجے عازم سفر ہوتے راقم الحروف بھی ساتھ تھا - ملتان کے ہوائی اڈہ پر جناب حافظ غلام حیدر ترین صاحب منتظر تھے - امیر محترم کی دعوت پر وہ بھی ڈیرہ اسماعیل خان چلنے کے لیے تیار ہو چکے تھے چنانچہ تقریباً ۱½ بجے جب جہاز ڈیرہ اتعا،

خان پہنچا تو بارش ہو رہی تھی۔ منتظمین کی طرف سے حاجی عبدالرشید صاحب ایک سوزوکی ویگن لائے ہوئے تھے۔ چنانچہ فوراً ڈیرہ پہنچ گئے۔ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر آرام کیا اور بعد نماز عصر جناب مولانا عزیز محمدی کی دعوت پر امیر محترم ان کے ہاں قاضیاں والی مسجد میں تشریف لے گئے۔ وہاں پر بہت سے معززین شہر موجود تھے جنہوں نے امیر محترم سے عظمتِ قرآن مجید کے بارے میں مختصر خطاب کے لئے فرمائش کی چنانچہ آپ نے دس منٹ خطاب کیا۔ دُعائے خیر کی گئی کہ اللہ تعالیٰ بارشوں سے نجات عطا کرے۔

بعد از عشاء تقریباً ۱۰ بجے امیر محترم نے سورۂ آل عمران کی آیات نمبر ۱۰۱، ۱۰۲ کے حوالے سے سامعین کو فرائض دینی کو سمجھنے اور ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی اور تقریباً ۱½ گھنٹہ خطاب کیا۔ موسم کے حالات کی مناسبت سے حاضری کافی تھی۔ مکتبہ اور کیسٹ بھی لے جائے گئے تھے چنانچہ کافی لوگوں نے کتب اور کیسٹ خریدے۔

۱۸ اپریل کی صبح کو بہت سے علماء اور شرفاءِ شہر نے ملاقات کی اور تنظیم اسلامی کے بارے میں سوالات کئے۔

چونکہ ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا تھا کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں ہیئتِ اجتماعی کے لئے یا تو جماعت اور امت کا لفظ استعمال ہوا ہے یا حزب اللہ کا اور یہ جمعیت کا نام صحیح نہیں ہے، اس لئے یہ اعتراض کیا گیا کہ آپ نے اپنی جماعت کا نام تنظیم اسلامی کیوں رکھا ہوا ہے؟ — امیر محترم نے جواب میں فرمایا کہ یہ معاملہ میں نے پہلے ہی شوریٰ کے اجلاس میں پیش کر دیا ہے اور انشاء اللہ ہم وہی نام اختیار کر لیں گے جو قرآن و سنت میں ہو گا — ملاقات کرنے والوں میں میانوالی اور داؤد خیل سے بہت سے علماء تشریف لائے ہوئے تھے۔

ڈیرہ اسماعیل خان کے دو معزز حضرات نے تنظیم کے طریق کار، ...

میں شمولیت اور اس کے مقاصد کے بارے میں تفصیلاً گفتگو کی اور اُمید ہے کہ وہ عنقریب تنظیم میں شمولیت بھی اختیار کر لیں گے ـــــ ان میں ایک جناب عبدالرحمٰن بیتاب صاحب پبلسٹی آفیسر محکمہ پریس انفارمیشن ڈیرہ اسماعیل خان ہیں انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے کتابچوں کا پشتو ترجمہ کرنے کی خواہش کا بھی اظہار کیا ۔ دوسرے حاجی محمد یونس صاحب ہیں جو خاکسار تنظیم سے وابستہ ہیں اور ہمارے دیرینہ ساتھی جناب محمد صادق بھٹی کے بڑے بھائی ہیں ۔ وہ اپنا کلینک چلا رہے ہیں ۔ انہوں نے تنظیم کے بارے میں لٹریچر بھی حاصل کیا تاکہ اچھی طرح کام کو سمجھا جا سکے ۔

قیام کا انتظام جناب خالد صاحب کے یہاں تھا جو ہوائی اڈہ تک الوداع کے لئے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آئے ۔

واپسی براستہ پشاور، اسلام آباد ہوئی اور شام ½۵ بجے واپس لاہور بخیر و عافیت پہنچ گئے ۔

فیصل آباد

جامع مسجد محمدی اہل حدیث رضا آباد کی دعوت پر امیر محترم ۱۹ر اپریل کو فیصل آباد تشریف لے گئے ۔ موسم چونکہ خوشگوار تھا ۔ اس لئے لوگوں کی حاضری دیدنی تھی ۔ بعد نماز عشاء خطاب شروع ہوا ۔ جس میں امیر محترم نے سورۂ حج کے آخری رکوع کا درس دیا ۔ ۲ گھنٹے کے خطاب کے بعد امیر محترم نے خطاب کے بارے میں سوالات کی دعوت دی چنانچہ تقریباً ۲۰ منٹ تک سوال وجواب کی نشست رہی ـــ اس موقع پر لٹریچر اور کیسٹ بھی کافی تعداد میں لوگوں نے خریدے ۔ بعد ازاں تقریباً ایک بجے رات کو لاہور روانگی ہوئی کیونکہ صبح کو امیر محترم نے اوکاڑہ اور بعد میں کوئٹہ روانہ ہونا تھا ۔

اسکندر آباد (ضلع میانوالی)

جناب ڈاکٹر احمد حسن ہاشمی انچارج ڈسپنسری نہر کالونی اسکندر آباد ضلع میانوالی نے سالانہ اجتماع کے موقع پر یہ تجویز پیش کی تھی کہ منفرد رفقاء

کے ہاں بھی دعوتی پروگرام ہونے چاہئیں - چنانچہ انکی تجویز کا خیر مقدم کرتے ہوئے راقم الحروف جمعرات کو ان کے ہاں گیا جمعہ کی صبح کو مختلف حضرات سے ملاقات کی گئی اور خطبۂ جمعہ نہر کالونی کی مسجد میں ہوا - بعد میں کالونی کے کچھ حضرات سے دینی فرائض پر گفتگو ہوئی ـــــ ڈاکٹر احمد حسن ہاشمی صاحب کو کچھ لٹریچر اور کیسٹ مہیا کئے گئے تاکہ وہ ان کے ذریعے دعوت کو پھیلائیں - بعد نماز عصر راقم الحروف لاہور کے لئے روانہ ہوا اور صبح چار بجے لاہور پہونچ گیا -

سیالکوٹ جمعیت اہلحدیث سیالکوٹ کے تین روزہ سالانہ اجتماع کے موقع پر شان اہلحدیث کی دعوت پر امیر محترم ۳۰ر اپریل کو سیالکوٹ تشریف لے گئے - راقم الحروف بھی ساتھ تھا - خطاب سے قبل بہت سے علماء جمعیت اہلحدیث سے ملاقات ہوئی اور پھر اہالیان سیالکوٹ سے سوال وجواب کی محفل بھی جمی رہی - گیارہ بجے رات ایک پر ہجوم اجتماع سے امیر محترم نے توحید باری تعالیٰ کے علمی اور عملی پہلو پر روشنی ڈالی اور خاص کر توحید فی العبادت کی مفصّل تشریح کی - ایک گھنٹے کے خطاب کے فوراً بعد لاہور واپسی ہوگئی کیونکہ یکم مئی کو لاہور کی تنظیموں کا ایک روزہ تربیتی اجتماع ہو رہا تھا اور امیر محترم کو اس میں خطاب فرمانا تھا ـــ رفیقِ محترم محمد اشرف صاحب مکتبہ بھی لے گئے تھے اس طرح سے تنظیم کی دعوت بذریعہ لٹریچر بھی سیالکوٹ میں روشناس ہوئی

امیرِ محترم ۲۰ اپریل ۸۳ کو بذریعہ کار اوکاڑہ تشریف لے گئے جہاں گورنمنٹ کالج میں طلبہ کو "ہماری دینی ذمہ داریاں" کے موضوع پر خطاب فرمایا اور وہیں سے بذریعہ ٹرین کوئٹہ تشریف لے گئے - جس کی روداد علیحدہ شائع جا رہی ہے - مئی کے پہلے عشرہ کی روداد ان شاءاللہ آئندہ ماہ پیش کی جائے گی - ۹ر مئی کی شب کو کراچی سے امیرِ محترم شمالی امریکہ کے دورے پر تشریف لے گئے ہیں -

ادارہ

تبصرہ کتب

(۱)

نام کتاب :- ظفر علی خان اور ان کا عہد

مولف :- عنایت اللہ نسیم سوہدروی

ناشر :- اسلامی پبلشنگ ہاؤس ۲- شیش محل روڈ لاہور۔

سائز :- ۲۰ × ۳۰ / ۸ آفسٹ کاغذ۔ صفحات ۵۰۰۔ مجلد۔

قیمت درج نہیں۔

اسلامی تقویم کے لحاظ سے چودھویں صدی اور عیسوی تقویم کے اعتبار سے بیسویں صدی (جس میں بیس سال کا فصل ہے) اسلامیانِ عالم کے لیے تاریخ کے نہایت عجیب نقشوں اور پہلوؤں سے مملو نظر آتی ہے۔ اس عرصہ میں جہاں ایک طرف عالمِ اسلام اپنے زوال و انحطاط کے لحاظ سے انتہا کو پہنچا ہوا نظر آتا ہے وہاں دوسری طرف اسی دور میں مختلف ممالک میں مغربی استیلا کے خلاف حریت اور استخلاص وطن کی متعدد تحریکوں کے پہلو بہ پہلو تجدید دین اور احیاءِ اسلام کی منظم مساعی کے لیے تحریکیں بھی بپا ہوتی نظر آتی ہیں۔ ان دونوں اقسام کی قیادت میں بے شمار نابغہ روزگار شخصیتیں اپنے پورے قد اور کاٹھ کے ساتھ کھڑی نظر آتی ہیں۔ اور یہ معاملہ ہر شعبۂ زندگی میں نقطۂ عروج پر نظر آتا ہے۔ انہیں نابغہ روزگار شخصیتوں میں سے ایک شخصیت مولانا ظفر علی خان رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے۔ مولانا مرحوم نے علی گڑھ یونیورسٹی سے جدید تعلیم حاصل کی تھی لیکن انہوں نے مادہ پرستانہ نظامِ تعلیم سے کوئی اثر قبول نہیں کیا اور اللہ تعالےٰ کے فضل خاص سے فکر و نظر کے اعتبار سے وہ سچے مومن و مسلم تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ان پر یہ کرم بھی کیا تھا کہ وہ بیک وقت شعلہ بیان خطیب ادیب اور صنفِ سخن میں ایک نئی طرح کے موجد بھی تھے۔ ان کو سنگلاخ زمین اور حالاتِ حاضرہ پر فی البدیہہ نظمیں کہنے پر پوری قدرت حاصل تھی۔ اس میدان میں ان کا کوئی مدِ مقابل مشکل ہی سے نظر آئے گا۔ ساتھ ہی اللہ تعالےٰ نے ان کو یہ ملکہ بھی ودیعت فرمایا تھا کہ وہ قرآن مجید کی آیات کی نہایت بلیغ اور مؤثر انداز میں

ترجمانی کیا کرتے تھے۔ اس ضمن میں اس وقت تین اشعار ذہن میں آرہے ہیں، جو پیش ہیں۔ مولانا مرحوم کا یہ بڑا مشہور شعر ہے جو روزنامہ زمیندار کی لوح پر مندرج ہوتا تھا کہ: ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن   پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

یہ دراصل سورہ صف کی اس آیت کی ترجمانی ہے کہ یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ وَ اللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ ٭

مولانا مرحوم کا دوسرا مشہور شعر ہے ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی   نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

یہ شعر سورہ الرعد کی اس آیت کی ترجمانی ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ۔

مولانا کا فارسی کا ایک شعر بھی سن لیجیے جس میں سورہ آل عمران کی اس آیت کی ترجمانی کی گئی ہے:۔

وَ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۔

مولانا نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

حدیث انتم الاعلون از یادم نخواہد رفت   محال است این مغلوب امت خیر الوریٰ باشد

مولانا مرحوم کا حد درجہ سادہ لیکن انتہائی جامع اور حقیقت نفس الامری کے اظہار کے ضمن میں یہ بہت مشہور شعر ہے کہ ؎

ایمان وہ جنس نہیں لے آئیں جسے دوکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے یہ ملے گا عاقل کو قرآن کے سیپاروں میں

مولانا مرحوم کا نعت گوئی میں بھی منفرد مقام تھا۔ وہ چونکہ سلفی المسلک تھے لہٰذا مولانا مرحوم نے نعتوں میں نبی اکرمؐ کا پورا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے حدود سے کہیں تجاوز نہیں کیا اور رطب و یابس سے اجتناب کا پورا اہتمام کیا۔

مولانا مرحوم کی بہت بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ وہ مصلحت کوش نہیں تھے ان کے لیے اصل کسوٹی دینِ مبین اور ان کا ضمیر تھا جس کے پیش نظر وہ پوری جرأت کے ساتھ اپنے سابقہ موقف سے علی الاعلان رجوع کر لیا کرتے تھے اور اس ضمن میں

کسی لومت لائم کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ مولانا مرحوم کے اس وصف کو اکثر لوگوں نے نہیں سمجھا لہٰذا بہت سے اپنے بھی مولانا کی صحیح قدر و قیمت اور ان کے مقام بلند کا ادراک نہ کر سکے جس کے باعث انہوں نے مولانا کو طنز اور استہزاء اور دل آزار تنقیدوں کا ہدف بنایا۔ مخالفین کا تو کہنا ہی کیا۔!

مولانا مرحوم اپنی ذات میں ایک انجمن اور اپنے عہد کی ایک چلتی پھرتی تاریخ تھے۔ جناب عنایت اللہ نسیم انتہائی مبارکباد اور تہنیت کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس بطلِ حریت اور مجاہدِ ملت کی ایک جامع سوانح حیات مرتب کی جس میں ماضی قریب کے اہم واقعات آگئے ہیں اور ساتھ ہی جس میں ہمارے موجودہ دور کے سیاست دانوں، دانشوروں، صحافیوں، حتیٰ کہ رجالِ دین کے لیے بھی بہت بڑا سبق اور عملی راہنمائی موجود ہے۔ ہماری رائے میں ان تمام طبقات بالخصوص اس دور کے صحافیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مولانا مرحوم کی سوانح کا معروضی اور بالاستیعاب مطالعہ کریں تاکہ ان کو معلوم ہو سکے کہ معیاری اور تعمیری صحافت کس چیز کو کہتے ہیں۔!

زیرِ نظر کتاب ترتیب و تسوید، کتابت و طباعت اور کاغذ کے اعتبارات سے بھی صحت مند اور معیاری و تعمیری ادب میں ایک بے بہا اضافہ ہے۔ الغرض یہ کتاب صوری و معنوی دونوں لحاظ سے اس قابل ہے کہ ہر صاحب ذوق اس کا مطالعہ کرے اور اس کو اپنی لائبریری کی زینت بنائے۔ ہم اس کتاب کی اشاعت پر مؤلف اور ناشر دونوں کی خدمت میں خراجِ تحسین و ہدیہ تہنیت پیش کرتے ہیں۔

(۲)

نام کتاب :۔ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ ؛ کفر کے اندھیروں سے نورِ اسلام تک

مولف :۔ غازی احمد (سابق کرشن لعل) ایم اے (اسلامیات و عربی) ایم او۔ ایل۔ بی۔ ایڈ۔ فاضل عربی۔ فاضل فارسی و فاضل درسِ نظامی

ناشر :۔ صدیقی ٹرسٹ (رجسٹرڈ) النسیم پلازہ رنشتنر روڈ کراچی نمبر ۵۔

سائز :۔ $\frac{۱۸ \times ۲۳}{۸}$ آفسٹ کاغذ۔ صفحات ۱۵۲۔

قیمت :۔ ۱۵ روپے۔

علامہ اقبال مرحوم کا مشہور شعر ہے کہ ؎

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانوں سے
کعبہ کو مل گئے پاسباں، صنم خانوں سے!

علامہ کے اس شعر کی عملی تفسیر ہر دور اور ہر زمانہ میں نظر آتی ہے۔ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لیے ہر سلیم الفطرت انسان اس سے متاثر بھی ہوتا ہے اور اس کی دعوت پر لبیک بھی کہتا ہے۔ یہ تو درحقیقت ہماری اپنی بدنصیبی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں دعوت و تبلیغ دین کا جو فرض اس ارشاد مبارکہ کے مطابق امت مرحومہ کی طرف منتقل فرمایا تھا کہ "فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ" ہم اس فرض سے غافل ہو گئے۔ اگر ہم اس فرض کو بحیثیت امت انجام دینے کے لیے اپنی توانائیاں اور قوتیں صرف کرتے تو واقعہ یہ ہے کہ کرۂ زمین پورا نہیں تو اس کا عظیم حصّہ نورِ توحید سے منوّر اور حلقہ بگوشِ اسلام ہوتا۔ الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ۔" ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔ یا مجوسی بنا دیتے ہیں"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ مبارکہ کی عملی تفسیر دیکھنی ہو تو تاریخ کے اوراق کو پلٹیے آپ کو نظر آئے گا کہ ایک طرف قرنِ اولیٰ میں عراق و شام۔ فلسطین۔ ایران۔ اور برِاعظم افریقہ کے پورے مغربی ساحل تک اور دوسری طرف ماوراالنہر بخارا، سمرقند، تاشقند، کاشغر اور پھر برصغیر کے مکران و قلات تک اسلام جنگل کی آگ کی طرح پھیلا جس نے لوگوں کے عقائد ہی نہیں ان کے پورے زاویہ نظر اور زندگی کی روش و رویّہ میں ایک صالح انقلاب برپا کر دیا۔ جب سلاطین و ملوک کا دور شروع ہوا تو صوفیاء کرام اور اولیائے عظام رحمہ اللہ علیہم اجمعین نے کفر و شرک کے اندھیاروں میں نورِ ایمان کی شمع فروزاں کی۔ صنم کدہ ہند میں صرف حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر لاکھوں افراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔

آج بھی کتابوں میں اسلام وہی اسلام ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو

عطا ہوا تھا۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۔ فرق یہ واقعہ ہوا ہے کہ الا ماشاء اللہ ہمارا اسلام کا اقرار زبانی کلامی ہے۔ ہمیں کامل اسلام نہ لوگوں کی زندگیوں میں نظر آتا ہے الا ماشاء اللہ۔ اور نہ ہی اپنی مکمل صورت میں کسی مسلم ملک میں بحیثیتِ مجموعی ایک مکمل نظامِ حیات کی صورت میں قائم و نافذ نظر آتا ہے۔ البتہ گنتی کے دو تین ممالک ایسے ضرور موجود ہیں جہاں شریعت کی حدود و تعزیرات جاری ہیں، لیکن ان کی معیشت اور ان کی پوری معاشرت پر اسلام کی حکمرانی نظر نہیں آتی۔

اس دور میں بھی سعید روحیں حق کی تلاش میں سرگرداں ہیں، ان میں وہ خوش بخت بھی ہیں جن کی صراط المستقیم کی طرف رہنمائی ہو جاتی ہے اور ان کا فکر و شعور اور ان کی بصارت و بصیرت حقیقتِ کبریٰ کا ادراک کر لیتی ہے اور شرک و الحاد کے ظلمات سے نورِ توحید اور نورِ اسلام تک ان کی رسائی ہو جاتی ہے۔ انہی خوش نصیب لوگوں میں نو مسلم غازی احمد (سابق کرشن لال) بھی ہیں۔ انہوں نے قبولِ اسلام کی اپنی داستان نہایت دل گداز اور مؤثر اسلوب نگارش سے قلمبند کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ راقم نے جب اس کتاب کو پڑھا تو جذبات میں عظیم ارتعاش پیدا ہوا اور کئی بار آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں ہوا۔ اس کتاب کے محاسن بیان کرنے سے قلم قاصر ہے۔ البتہ کتاب کا ایک طویل اقتباس نقل کیا جا رہا ہے، جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس نو مسلم نے اسلام کو اس حد تک سمجھا ہے کہ جس حد تک بہت سے مسلمانوں کے اذہان و قلوب کو بھی شاید ہی رسائی حاصل ہوئی ہو۔ اقتباس حسبِ ذیل ہے :-

> "اسلامی تعلیمات کا طرۂ امتیاز توحید باری تعالیٰ ہے۔ اس وقت دنیا کے دیگر تمام مذاہب تصورِ توحید سے محروم ہیں۔ کہیں تو اصنام پرستی کو دھرم کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے کہیں تثلیث کی حکمرانی ہے کہیں ثنویت کا نظریہ کارفرما ہے۔ بلکہ روئے زمین کے اکثر حصے پر شرک و کفر کا غلبہ ہے۔ تمام انبیاء کرام سلام اللہ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی امتوں کو توحید ربانی کا درس دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا اَرْسَلْنَا ...

رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝
(الانبیا ۲۵) یعنی آپؐ سے پہلے جتنے رسول مبعوث کیے گئے ان سب کو بذریعہ وحی یہی پیغام دیا گیا کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں میری ہی عبادت کرو۔ ہر نبی اور رسول نے اپنی امت کو لاالٰہ الا اللہ کا بنیادی پیغام پہنچایا۔ خدائے وحدہٗ کے سامنے جھکنے کی تعلیم دی مگر پیغمبر کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی امت کے افراد تعلیم ربّانی کو مسخ کر دیتے۔ ہوائے نفسانی کی اتباع میں شرک و کفر کی تاریک وادیوں میں بھٹکنے لگتے۔ چنانچہ آج کوئی مذہب بھی سوائے اسلام کے یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ منزل من اللہ کتاب ہمارے پاس صحیح و محفوظ صورت میں موجود ہے۔ تورات ہو یا انجیل۔ زبور ہو یا دیگر صحائف۔ تحریف لفظی و معنوی سے محفوظ نہ رہ سکے۔ بلکہ یہود و نصاریٰ نے تو تورات و انجیل کا حلیہ بگاڑ دیا۔ یہ شرف صرف اور صرف اسلام کو حاصل ہے کہ صرف قرآن کریم ہی اصلی و صحیح صورت میں موجود ہی نہیں ہے بلکہ سیدِ دو عالم کے ارشادات اعمال اور احوال کا ریکارڈ بھی حدیثِ نبوی کی صورت میں صحیح و سالم اور محفوظ طور پر موجود ہے۔ غیر مسلم اسکالر بھی اس بات کے شاہد ہیں۔ پروفیسر نکلسن لٹریری ہسٹری آف عریبیا میں رقمطراز ہیں کہ یہ فخر صرف امت محمدیہ کے افراد کو حاصل ہے جو کلامِ الٰہی کے علاوہ اپنے پیغمبر کے ارشادات بھی سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں آنے دیا۔ ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ توحید ربانی کا علمبردار اب صرف اسلام ہی ہے۔ اس توحید کی بنیاد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر استوار ہوتی ہے۔ توحید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات کے لحاظ سے وحدہٗ لاشریک ہیں۔ وہی ذات خالقِ کائنات اور رب العٰلمین ہے۔ مخلوق میں کوئی شخص نبی ہو یا رسول۔ اوتار ہو یا ولی، بادشاہ ہو یا فقیر، حاکم ہو یا محکوم، جاندار ہو یا بے جان اس کی ذات و صفات میں شرکت نہیں رکھتے وہی ہمارا پیدا کرنے والا ہماری مشکلات و مصائب کا ازالہ کرنے والا، ہماری حاجت روائی کرنے والا، ہمارے کمالات ...

فی الارض ہے۔ وہی علیم و خبیر رازدانِ ظاہر و باطن دانائے غیوب اور حاضر و ناظر ہے۔ کائنات کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْئٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ (آل عمران ۵)

وہی کائنات کی تمام حقیقتوں کو جاننے والا ہے وہی ذات اس قابل ہے کہ صرف اس کی عبادت کی جائے اسی کی بارگاہ میں اپنے سرکو نگوں کیا جائے اسی کے نام کی نذر و نیاز دی جائے اسی کے نام پر چڑھاوے چڑھائے جائیں اسی کی رضا کے لیے اسی کے مقدس نام پر صدقہ و خیرات دی جائے۔ دنیا کی تمام مخلوق انسان ہوں یا جن ملائکہ ہوں یا دیگر مخلوق نبی ہوں یا رسول صحابہ ہوں یا اولیاء شاہ ہوں یا گدا، حاکم ہوں یا رعایا، سب اسی کے محتاج اور غلام ہیں۔ سورہ اخلاص میں جسے ثلث القرآن کا نام دیا جاتا ہے توحید باری کو کس وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۔ (سورۃ الاخلاص)

"کہہ دیجئے وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اسی کے محتاج ہیں نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے"

صدیقی ٹرسٹ نے تبلیغی دعوتی اور اصلاحی لٹریچر کی اشاعت کے سلسلے میں [گراں] بہا اور بیش قیمت خدمات انجام دی ہیں اور مسلسل دے رہا ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب [ٹر]سٹ کی ان کتب میں سے ہے جن پر اس کو کتنا ہی خراجِ تحسین اور ہدیہ تہنیت پیش [کی]ا جائے لیکن بات یہی کہنی پڑے گی کہ ع حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

ہم قارئین میثاق سے بالعموم اور ایسے تمام حضرات سے جو دعوت و تبلیغ دین [کے] کسی نہ کسی نوع کے کام میں لگے ہوئے ہیں بالخصوص اس کتاب کے مطالعے کی [پُرز]ور اپیل کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ اس کا مطالعہ ایمان و بصیرت میں اضافے کا باعث [ہوگ]ا —— دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ غازی احمد صاحب کو استقامت عطا فرمائے [ا]ور آخرت میں غازی ہی کا رتبہ، مرتبہ اور مقام عنایت فرمائے اور کارکنانِ [صدیق]ی ٹرسٹ کی ان دینی مساعی کو قبول فرما کر آخرت میں ماجور و مشکور فرمائے آمین

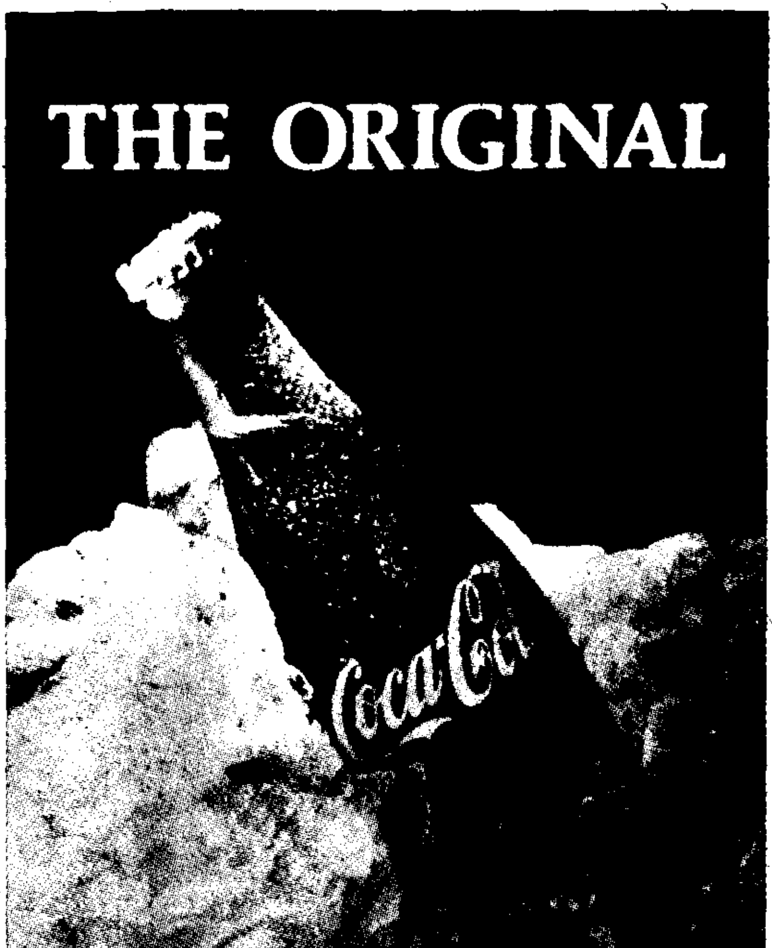
THE ORIGINAL
Coca-Cola

التَّاجِرُ الاَمِيْنُ الصَّدُوْقُ المُسْلِمُ مَعَ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ القِيَامَةِ

(قولِ رسول ﷺ)

✡

IRAN-LAHORE TRADING CORPORATION

Flat Nos. 14-15, 63-Shadman Commercial Market,
LAHORE — PAKISTAN

Cable Address :
PAYANDEPAK
Tel : 417353
TLX No. 44944 & 44942 CTO LH

☆

Reliable Exporters of :

- ★ Canvas Cloth (Waterproofed & Grey), Tents & Tarpaulins.
- ★ Cotton Yarn (Single / Twisted).
- ★ Hand-knotted Woollen Carpets.
- ★ Auto Spare Parts.

مُلکی صنعت قوم کی خدمت ہے

اور

قومی خدمت ایک عبادت ہے

سروس انڈسٹریز

اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے سال ہا سال سے

اِس خدمت میں مصروف ہے

Servis

آپ کو پری اسٹریسڈ کنکریٹ کے معیاری

گارڈر، بلے اور سلیب وغیرہ

درکار ہوں تو وہاں تشریف لے جائیے جہاں

اظہار لمیٹڈ کی تیار چھتیں

کا بورڈ نظر آئے

❁ صدر دفتر : ۶- کوثر روڈ- اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور

فون:- ۶۹۵۲۲ ۶۱۵۱۴

- پچیسواں کیلومیٹر- لاہور شیخوپورہ روڈ
- جی-ٹی روڈ کٹھالہ (نزد ریلوے پھاٹک) گجرات
- انڈس ہائی وے- مختار آباد- نزد راجن پور (ڈیرہ غازیخان ڈویژن)
- فیروز پور روڈ- نزد جامعہ اشرفیہ- لاہور- فون:- ۴۱۳۵۶۹
- شیخوپورہ روڈ- نزد نیشنل ہوزری فیصل آباد- فون:- ۵۰۶۲۶
- جی-ٹی روڈ- مریدکے
- جی-ٹی روڈ- سرائے عالمگیر
- جی-ٹی رود- سواں کیمپ- راولپنڈی- فون:- ۶۸۱۲۷

جاری کردہ: **مختار سنز گروپ آف کمپنیز**

Regd. L No. 7360

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

Vol. 32 | JUNE 1983 | No. 6